ماہنامہ
براہِ راست
لاہور
جلد 11 شمارہ 06
جون 2025ء

حماس کو 25 ارب 30 کروڑ روپے کی غیبی مدد!!

اہل غزہ کی بھوک اور پیاس مٹنے کا کوئی امکان فی الحال نہیں

غزہ: ہم تجھے بھولے نہیں، پر تیرے کام بھی نہ آسکے

یوم "نکبہ" اور اسرائیلی مظالم کا تسلسل

غزہ، مغربی کنارہ، مسجد اقصیٰ امید سے بھرا

اپنے ادوار کے فرعون ”یہ جنگ نہیں، جنگی جرائم ہیں“

اسرائیلی قیادت کی ان نمایاں شخصیات کی فہرست جنہوں نے علانیہ اعتراف کیا کہ اسرائیلی فوج غزہ میں جنگی جرائم کا ارتکاب کر رہی ہے:

ایہود باراک: سابق وزیر اعظم اور وزیر دفاع: ایک میڈیا انٹرویو میں باراک نے غزہ میں ہونے والے واقعات کو ”نسلی کشی“ اور ”جنگی جرائم“ قرار دیا۔ انہوں نے کہا: ”اسرائیلی فوج غزہ میں جبری بے دخلی اور شہری انفراسٹرکچر کی منظم تباہی میں ملوث ہے۔“ ایہود باراک نے واضح کیا کہ یہ اقدامات بین الاقوامی قوانین کی کھلی خلاف ورزی ہیں اور ان کے نتیجے میں عالمی فوجداری عدالت میں مقدمات چل سکتے ہیں۔

ایہود اولمرٹ: سابق اسرائیلی وزیر اعظم: اسرائیلی فوج کی غزہ میں فوجی کارروائیوں کو ”جنگی جرائم“ قرار دیا اور موجودہ حکومت کو ایک ”بے مقصد جنگ“ کی ذمہ دار ٹھہرایا جو انسانی المیے کو جنم دے رہی ہے۔ انہوں نے وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو کی حکومت پر شدید تنقید کی، اور کہا کہ اس کے اقدامات ”سفاک، دانستہ اور اخلاقی جواز سے عاری ہیں۔“

موشیہ (بوغی) یعلون: سابق وزیر دفاع: اسرائیلی ریڈیو ”کان“ کے ساتھ ایک انٹرویو میں یعلون نے کہا: ”اسرائیل شمالی غزہ میں نسلی تطہیر اور جنگی جرائم کا ارتکاب کر رہا ہے۔“ انہوں نے مزید کہا: ”میں ان افراد کی نمائندگی کر رہا ہوں جو شمالی غزہ میں خدمات انجام دے چکے ہیں اور وہاں ہونے والے جنگی جرائم کے گواہ ہیں۔“ یعلون نے کہا کہ ان بیانات کی بنیاد اسرائیلی سیاستدانوں کی ان اپیلوں پر ہے جو غزہ کی آبادی کو کم کرنے اور وہاں دوبارہ یہودی بستیوں کے قیام کی حمایت کرتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ پالیسیاں خود جنگی جرائم کے زمرے میں آتی ہیں۔

یائیر گولان: سابق نائب چیف آف اسٹاف اور سابق رکن کنیسٹ: 20 مئی 2025 کو ایک ریڈیو انٹرویو میں گولان نے کہا: ”ایک باشعور ریاست نہ تو شہریوں پر جنگ مسلط کرتی ہے، نہ بچوں کو مارنا اپنا مشغلہ بناتی ہے، اور نہ ہی اجتماعی بے دخلی میں شریک ہوتی ہے۔“ اسرائیل میں ان بیانات پر وسیع بحث اور تنازع پیدا ہوا۔

عاموس جلعاد: سابق سینئر اسرائیلی سیکیورٹی عہدیدار: اہم بیان: ایک ٹیلی وژن انٹرویو میں انہوں نے کہا: ”غزہ میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ دفاع کے دائرے سے باہر نکل چکا ہے اور انسانیت کے خلاف جرائم کے زمرے میں آتا ہے۔“ جلعاد نے خبردار کیا کہ ان کارروائیوں کے تسلسل سے اسرائیل عالمی سطح پر تنہائی کا شکار ہو سکتا ہے اور اس کے قائدین کو قانونی کارروائیوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

عوفر کسیف: کنیسٹ کے رکن، ”ڈیموکریٹک فرنٹ فار پیس اینڈ ایکوالٹی“ کی جانب سے اہم بیان: انہوں نے کہا: ”شفاء اسپتال پر اسرائیلی کارروائی ایک جنگی جرم ہے۔“ انہوں نے جنوبی افریقہ کی جانب سے عالمی عدالت انصاف میں دائر مقدمے کی حمایت میں ایک پٹیشن پر بھی دستخط کیے، جس میں اسرائیل پر غزہ میں نسل کشی کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ ان کے خلاف کارروائی: کنیسٹ کی اخلاقی کمیٹی نے انہیں 6 ماہ کے لیے اجلاسوں میں شرکت سے معطل کر دیا اور دو ہفتے کی تنخواہ روک لی، جو کمیٹی کی تاریخ کی سخت ترین سزا ہے۔

یہ بیانات اسرائیلی سیکیورٹی اور سیاسی اداروں کے اندر موجود اُن آوازوں کی عکاسی کرتے ہیں جو واضح طور پر تسلیم کر رہی ہیں کہ اسرائیلی فوج غزہ میں سنگین جنگی جرائم اور بین الاقوامی قوانین کی کھلی خلاف ورزیاں کر رہی ہے۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد
اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرد اگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم
اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ

براہِ راست

لاہور

جلد 11 شمارہ 06 جون 2025ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com

برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com

برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70

پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

- کلام اقبال
- اداریہ

یوم ''نکبہ'' اور اسرائیلی مظالم کا تسلسل

طویل نکبہ: اسرائیل کے قیام پر لاکھوں فلسطینیوں کی بے دخلی کو 77 سال مکمل

دوسرا ''نکبہ'' یورپ اور شرق اوسط کو دہلا دے گا!

اسرائیل امن کانفرنس: متضیاد بیانات، حقائق سے فرار

- غزہ: ہم تجھے بھولے نہیں، پر تیرے کام بھی نہ آ سکے
- اسرائیلی ساختہ ڈرون ہیروپ جو ہزار کلومیٹر تک مار کر سکتا ہے
- فلسطین بچانا ہے، نسل پرست اسرائیل کا بائیکاٹ کرنا ہے
- حماس کو 25 ارب 30 کروڑ روپے کی غیبی مدد
- فلسطین: غزہ، مغربی کنارہ، مسجد اقصیٰ امید سے بھرا
- کینیڈا، برطانیہ فرانس سٹریٹجک دھوکہ دے رہے ہیں
- غزہ: ٹینٹ، حبس، گرمی، بے پردگی اور نہ جانے کیا کچھ!
- سنجل: مغربی کنارے کا محصور گاؤں!
- نیتن یاہو کا دورہ آذربائیجان ملتوی
- ''مسٹر آف فلسطین'' کی بے بسی

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کیا تُو نے

کلامِ اقبال

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کیا تُو نے
وہ کیا گردُوں تھا تُو جس کا ہے اک ٹُوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبّت میں
کُچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
تمدّن آفریں، خلّاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا
سماں 'الفُقْرُ فَخْرِی' کا رہا شانِ امارت میں
''بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت رُوے زیبا را''
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ مُنعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
غرض مَیں کیا کہُوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیّل سے فزوں تر ہے وہ نظّارا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تُو گُفتار وہ کردار، تُو ثابت وہ سیّارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثُریّا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلَّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا
''غنی! روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کُن
کہ نُورِ دیدہ اش روشن کُند چشمِ زلیخا را''

ادارِیہ

غزہ کا مستقبل: صبحِ امید زندہ ہے

غزہ میں خوراک فاؤنڈیشن کے تحت تقسیم کا عمل شروع ہو گیا ہے۔ گھنٹوں انتظار اور سخت گرمی میں جلنے کے بعد ملنے والی خوراک کھانے کے لیے نہیں ہے۔ سفارتی سطح پر اسرائیل کو تسلیم کرانے کے عمل کا آغاز اردن سے کر دیا گیا ہے۔ سعودی وزیر خارجہ فیصل بن فرحان عرب وزرائے خارجہ کا ایک وفد جلد ہی فلسطینی اتھارٹی کے صدر ابو ماذن محمود عباس سے ملاقات کرنے مغربی کنارے جا رہا ہے۔ جنگ بندی کی ایک تجویز پر کام شروع ہونے کی خبریں گردش میں ہیں۔ ان واقعات کے ساتھ ساتھ فلسطینی نسل کشی (Genocide) جاری ہے۔

اہل غزہ کی بھوک اور پیاس مٹنے کا کوئی امکان فی الحال نہیں ہے۔ گھنٹوں دھکم پیل کا سامنا، اسرائیلی فوج کا تشدد، فاؤنڈیشن کے کنٹریکٹرز کے سخت سلوک کے بعد جو ''کھانا'' مل رہا ہے، وہ کسی مذاق اور تضحیک سے کم نہیں ہے۔ اس پیکٹ والی خوراک میں ٹیونا مچھلی کے چار عدد کین، (Spaghetti) کے کچھ پیکٹ اور ایک لیٹر تیل موجود ہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ غزہ خوراک فاؤنڈیشن اسرائیلی پراجیکٹ ہے۔ اسے امریکہ نے ہائی جیک کر لیا ہے۔ اس کے سارے افراد اور حکام امریکی ہیں۔ اب اس منصوبے کی منظوری اسرائیل نے دی ہے۔ تقسیم کے اس عمل میں 14,000 پیکٹ دیے گئے ہیں۔ امدادی تنظیموں، اقوام متحدہ کے اداروں اور دیگر این جی اوز کے مطابق یہ امداد غزہ کی 20 لاکھ آبادی کو درکار خوراک کا عشیر بھی نہیں ہے۔

خوراک کے ان پیکٹس کو وصول کرنے والوں کا حال وصول نہ کرنے والوں از بس کہ بدتر ہے۔ ایک لیٹر تیل کا مطلب ہے کہ پیکٹ لے جاؤ اور جا کر پکاؤ اور کھاؤ۔ پانی کے بغیر کیسے پکائیں۔ اگر پانی کی لیٹر بوتل مل گئی ہو تو وہ کس کس کام آئے گی۔ خوراک کی تقسیم کا یہ نظام امریکی چوکیداری میں غزہ میں نئے سیاسی اور انتظامی سیٹ اپ تیار کرنے پر کام ہو رہا ہے۔ اس میں عرب ممالک بھی شریک ہیں۔ اس عمل میں بالخصوص تین عرب ممالک لیڈ کر رہے ہیں۔ اب یہ ممالک بھی سامنے آنے لگے ہیں۔

اقوام متحدہ اور دیگر تنظیمیں اس نظام پر شروع سے تنقید کر رہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ غزہ کے 20 / 21 لاکھ فلسطینیوں کی ضروریات کے لیے یہ نظام نہ تو کافی ہے اور نہ ہی کامیابی کا کوئی ماڈل بن سکتا ہے۔ اگر غزہ کے اندر انسانوں کے لیے صرف اتنا کر دیا جائے کہ رفح بارڈر پر خوراک سے لدے ٹرکوں کو داخلے کی اجازت اور اسرائیل کی قابض افواج سے تحفظ کی عالمی ضمانت دے دی جائے تو یہ مسئلہ دنوں میں حل ہو سکتا ہے۔

اگر در پردہ مقاصد کو سمجھا جائے تو نسل کشی مکمل قوت سے جاری ہے۔ غزہ کے اندر امریکی کنٹریکٹرز کو داخل کیا گیا ہے۔ ان کی شکل میں ایک متوازی فورس قائم کی جا رہی ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ اسرائیلی فوج، پولیس اور خفیہ ایجنسیاں غزہ میں فورس قائم کریں گی۔ حماس کے زیر انتظام کام کرنے والی پولیس اور انتظامیہ کی جگہ لیں گی۔ وہ انتظام بھی امریکہ اور اسرائیل کی صلاحیتوں کا امتحان ہوگا۔ تل ابیب اور نیو یارک کا نظام چلانا اور بات ہے، اٹھارہ سال سے ناکہ بندی میں رہنے والی آبادی کا نظام چلانا بالکل مختلف بات ہے۔ غزہ خوراک فاؤنڈیشن کا نظام اور انتظام دنیا نے دیکھ لیا ہے۔ خوراک کے لیے آنے والے پہلے مرحلے میں 31 افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ چودہ ہزار پیکٹ تقسیم کرنے والوں کے جواب میں اسرائیل کے ynet.com نے رپورٹ کیا کہ پہلے دن 30 لاکھ، دوسرے دن 36 لاکھ پیکٹ تقسیم کیے گئے گویا 20 لاکھ آبادی وہاں اُمڈ آئی اور اپنی تعداد سے بھی زیادہ پیکٹ لے اڑی اور پھر بھی خوراک سے محروم رہی۔

اس حسنِ انتظام پر ''کون خوشی سے مر نہ جائے اے خدا'' والی کیفیت ہے۔ حماس کو منفی ضرور کیجیے، حماس خوف زدہ آپ نہ کر سکے اور اس حسن انتظام والے کر سکیں گے۔ لیکن دنیا کو دھوکہ دینے سے نہیں رکیں گے۔ یہ محض تنقید نہیں ہے۔ چند ہزار دے کر کہا جائے اور دعوے کیے جائیں کہ 30,36 لاکھ تقسیم کر دیے یا تو میڈیا کا منہ بند کر دیں یا اپنا کذب گوئی کا سلسلہ بند کر دیں۔

رفح سے آنے والے ٹرکوں کو ایک بار غزہ میں داخلے کی اجازت 31 مئی کو دی گئی۔ ورلڈ فوڈ پروگرام کے ٹرکوں کو داخل ہونے دیا گیا تو ہزاروں لوگ ان پر لپکے۔ آٹے کے 77 ٹرک داخل کیے گئے اور کہا گیا کہ یہ خوراک فاؤنڈیشن نے بھیجے۔ چلیئے، ایسے ہی سہی لیکن اسرائیل کے پرچم کے رنگوں سے ڈھکے، بھوک کے ستائے

فلسطینیوں نے آٹے کے تھیلے وصول کیے۔ دھکم پیل کی اجازت دی گئی، کوئی بھی امدادی قافلہ مقررہ ویئر ہاؤس نہ پہنچ سکا۔ ورلڈ فوڈ پروگرام ہی کے ترجمان عبیر نے بی بی سی کو بتایا کہ ہجوم کو خود اجازت دی گئی تا کہ وہ اپنے لوگوں کے لیے آٹا لے جاسکیں۔

اس امر کی حکمت کیا تھا اور ہے کہ جب خوراک فاؤنڈیشن سمندری مچھلی کے پیکٹ اور کچھ نوڈلز دے رہی تھی، اسی وقت آٹے کے ٹرکوں کو داخلے کی اجازت دی گئی۔ کسی نظام کے بناء تقسیم کا عمل شروع کرنے میں بھی کوئی حکمت تھی یا ہے، اس کا جواب آنے والے دنوں میں مل جائے گا۔ اللہ کرے کہ یہ سلسلہ مزید بھوکی پیاسی جانوں کے تلف ہونے کی صورت میں نہ نتیجہ دے۔

اسرائیل کی موجودگی اور قبضے کو تسلیم کرنے والے ہی مغربی کنارے میں کسی بھی راستے سے داخل ہو سکتے ہیں۔ اس عمل میں تاخیر ان کو ایسا جواز نہیں دے سکتی کہ وہ اعلیٰ وزارتی وفد لے کر وہاں جاسکیں۔ یہ بات ان کو سوچنی چاہیے کہ اب معاملہ بالکل صاف ہو گیا ہے۔ اسے نیتن یاہو کی ضد اور ہٹ دھرمی نے صاف کر دیا تھا۔ جب مسلم ممالک کے بعض حلقے دو ریاستی فارمولے کی وکالت کرتے بل کہ اب تو گردان کرتے نہیں رکتے، اب نیتن یاہو نے واضح کر دیا ہے کہ صرف ایک ہی ریاست ہے اور وہ قابض اسرائیل ہے۔ اس کے باوجود بھاری بھر کم وفد بنایا گیا، سعودی عرب، اردن، مصر وغیرہ کے وزرائے خارجہ کی رام اللہ میں فلسطینی اتھارٹی کے " تاحیات" صدر محمود عباس سے ملاقات نہ ہو سکی۔ دو ریاستی فارمولے والے فلسطین کو نہیں مانتے، وہ محمود عباس کی فلسطینی اتھارٹی کو مانتے ہیں۔ وہ کس قدر بااختیار ہیں کہ عالم اسلام کے اعلیٰ اختیاراتی وفد سے اپنی ''آزاد مرضی'' سے ملاقات بھی نہیں کر سکتے۔ وہ 50 ہزار فلسطینیوں کے لہو سے لکھا ایک لفظ بھی پڑھ پاتے تو ''آزادی'' کا مفہوم ضرور انہیں سمجھ میں آجاتا۔

اس نکتے کو سمجھنا ضروری ہے کہ اعلیٰ اختیارات والوں کا سارا اختیار اس امریکہ کے ہاتھ میں ہے جو مشرق وسطیٰ کے تین متعلقہ عرب ممالک کے دورے سے بڑی آسانی سے کھربوں ڈالر سرمایہ کاری کے لیے سمیٹ کر لے گیا اور بغل میں غزہ کو ایک ارب ڈالر کی خوراک بھی ان عربوں سے انہیں جانے نہ دی۔ تم ہی کہو، ہم کہیں گے تو شکایت بھی ہو گی۔

اب اس حقیقت کو بھی سمجھ لیا جائے کہ مغرب نے امریکہ کی قیادت میں دنیا کو واضح طور پر تقسیم کر دیا ہے۔ اس تقسیم کا بڑا حصہ ڈونلڈ ٹرمپ نے ادا کیا ہے۔ امریکی صدر نے خراج تقسیم کرنے کا اب سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ دراصل جرمانہ ہے جو امریکہ دنیا سے وصول کرنے نکلا ہے۔ جرمنی کے نئے چانسلر نے بڑے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ ان کی پوری توجہ اس پر ہوگی کہ جرمنی کو بھرپور فوجی قوت بنا دیا جائے۔ اس پر ساری سرمایہ کاری ہوگی اور صلاحیت صرف ہوگی۔ بہ ظاہر یہ ایک غیر متعلقہ حوالہ ہی محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اس کا پیغام یہ ہے کہ امریکہ اب ''عالمی قوت'' سے ''داخلی یا مقامی قوت'' میں تبدیل ہو چکا ہے۔ ایلون مسک کچھ عرصہ مزید امریکی انتظامیہ کا حصہ رہ جاتے تو ان کی تطہیر کا عمل امریکی فوجی اور جنگی صلاحیت تک بھی پہنچ جاتا۔ لیکن خاطر جمع رکھیے کہ امریکہ کو داخلی اور مقامی قوت بنانے کا سہرا ٹرمپ کے ہی سر سجے گا۔ اب مشرق وسطیٰ کا ریویریا تلاش کرنے نکلنے والا ٹرمپ امریکی خواب دیکھتا رہے گا۔ اسرائیل کا سرپرست اب زیادہ عرصہ خوراک فاؤنڈیشن کے سایے تلے حبس اور گرمی میں نہیں رہ سکے گا۔

حماس نے بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ وہ اسرائیل کے ساتھ جنگ بندی یا فائر بندی کا معاہدہ کرنے کو تیار ہے۔ اس کے لیے وہ اس پر بھی تیار ہے کہ غزہ کا نظام کسی کے ہاتھ منتقل کر دے لیکن یہ ہاتھ قابض اسرائیل کا نہیں ہوگا۔ وہ اس پر بھی تیار ہے کہ سارے یرغمالی رہا کر دے۔ اس کے لیے اس شرط یہ ہے کہ اسرائیل کی فوج غزہ خالی کر دے۔ اس کے جواب میں بنیامین نیتن یاہو نے اس پیش کش کو حقارت سے ٹھکراتے ہوئے کہا تھا کہ وہ انسان نہیں، انسان نما جانوروں اور انسانی بلاؤں سے لڑ رہا ہے۔

حقیقت اس کے برعکس تھی۔ کہا گیا کہ غزہ پر مکمل قبضے، حماس کے مکمل خاتمے، اس کی شکست تک جنگ جاری رہے گی۔ اسرائیل نے اس کے لیے ہزاروں یہودی نوجوانوں کو ریزرو فورس کے طور پر طلب کر لیا۔ نیتن یاہو کو اس میں شکست کا بدترین سامنا کرنا پڑا ہے۔ تل ابیب کی سڑکوں پر اسرائیلی نوجوان جنگ کے خلاف مظاہرے کر رہے ہیں۔ جنگ کی حمایت میں نعرے لگانا اور بات ہے جب کہ فوجی بن کر لڑا اور بات ہے۔

اب کہا جا رہا ہے کہ جنگ بندی کر لی جائے۔ اسرائیلی ضرورت کو امریکی تجویز کہا جا رہا ہے۔ اسرائیل میں امریکی سفیر حکابے سرگرم عمل ہیں۔ اب حماس کے مطالبے کے مطابق جنگ بندی ہو رہی ہے۔ اسرائیل کے غزہ، مغربی کنارے اور مقبوضہ بیت المقدس میں حملے اور کارروائیاں جاری ہیں۔ اس کے باوجود جنگ یا فائر بندی کی جزیات پر کام ہو رہا ہے، تفصیلاً اور مراحل طے ہو رہے ہیں۔ اب امریکہ جنگ بندی چاہتا ہے تا کہ خوراک فاؤنڈیشن کا منصوبہ آگے بڑھ سکے۔ خود یہ فاؤنڈیشن کیا سیاسی صورت اختیار کرے گی، یہ دیکھنے کی بات ہے۔

پس آئینہ: منصور جعفر

یومِ ''نکبہ'' اور اسرائیلی مظالم کا تسلسل

''نکبہ''، فلسطین کی تاریخ میں ایسا حوالہ ہے جو اس قیامت کو بیان کرتا ہے جو انسانی زندگی میں بار بار لوٹ آتی ہے۔ ہولوکاسٹ (Holocaust) نے یہودی زندگی میں ایک مرتبہ غیر مسلمہ ظلم کیا اور اس ظلم کو اب تک ثابت کرنے، اس کے خلاف بولنے والے کو سزا دینے جیسے رویوں کا واقعہ ہے۔ اس کے برعکس بل کہ بالکل برعکس ۔۔نکبہ۔۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی، سلامتی کونسل، حقوق انسانی کی عالمی کونسل جیسے اداروں کی منظور شدہ قراردادوں میں یہودی سے صہیونی ہونے والوں کے ظلم کا حوالہ ہے۔ اسے یاد نہیں کرانا پڑتا کہ 15 مئی 1948ء کو جو ملک کھڑا کیا گیا تھا، جو یہودی ریاست بنائی گئی تھی، وہ برقرار رکھنے کے لیے ہر کچھ عرصے بعد، چند برسوں بعد نکبہ کرنا پڑتا ہے۔

یہ نکبہ کیا ہے؟ یہ واقعی فلسطینی تاریخ ہے جہاں آج اسرائیل کھڑا رکھنے کے لیے ہزاروں فلسطینیوں کا خون بہانا پڑتا ہے۔ کسی نے برکت کا مفہوم جاننے کے لیے کسی اللہ والے سے طنزاً پوچھا تھا کہ برکت، برکت کرتے رہتے ہو، کیا ہوتی ہے یہ برکت؟ سوال ٹیڑھا تھا لیکن جواب سیدھا۔ اس اللہ والے نے کہا کہ کتیا جب پلّے جنتی ہے تو دو چار نہیں کئی ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس بکری کے بچے پیدا ہوتے ہیں تو درجن بھر نہیں ہوتے۔ کیا وجہ ہے کہ کتیا کے پلّے کم کم نظر آتے ہیں، بکری کے بچے، یعنی بکرے ہر سال عید قربان پر لاکھوں قربان ہوتے ہیں، پھر بھی بہت بڑی تعداد اگلی عید پر پھر تیار ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ ہے برکت۔ کتیا کے پلّے برکت سے عاری ہیں جب کہ بکری کے بلونگڑے اسی برکت سے بڑھتے جاتے ہیں اور قربانی کے لیے بھی تیار ملتے ہیں۔

نکبہ۔۔ فلسطینی زندگی کو ختم کرنے کے لیے انیسویں صدی کے آخر میں فلسطین کی سرزمین پر صہیونی لا لا کر برپا کی گئی قیامت کا نام ہے۔ اس صہیونیت کی ضد یہ نہیں کہ 15 مئی 1948ء سے جس اسرائیل کو نکبہ کے ذریعے فلسطینیوں کو قربان کر کے شروع کیا گیا تھا، وہ اب بھی دنیا بھر سے مسلسل غیر ملکی، اجنبی قابضین، نوآبادیاتی گماشتوں کو یہودی آباد کار کے طور پر لا کر اسرائیل کو قائم رکھنا چاہ رہی ہے، وہ صہیونیت کامیاب نہیں ہو رہی۔

1948ء نکبہ کا عروج تھا۔ برطانوی ظالم کے مینڈیٹ کو اسرائیل کی شکل دی گئی تو فلسطین میں صرف اتنے ہی یہودی تھے، جو اپنا وجود بھی قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔ انہیں ایک ہی طریقے سے ایسا کرنا پڑا۔ وہ نام نہاد نظریاتی اسرائیلی ریاست کے قیام کے لیے دہشت گرد بنے۔ برطانیہ، روس، فرانس، جرمنی اور امریکہ بہادر سے ان کو اسلحہ اور گولہ بارود دیا گیا۔ یہ ایسے دہشت گرد تھے جو اپنے

لیڈر ڈاکٹر تھیودر ہرزل کے ساتھ فلسطینیوں پر حملے کرتے۔ جب انہیں محسوس ہوتا کہ یہ ممالک بھی اب ان کی دہشت گردی سے عاجز آنے لگے ہیں تو انہوں نے امریکی اور برطانوی مفادات پر حملے کیے۔ ان کے سفارتی مراکز اور ہوٹل اڑائے۔

انہی دہشت گرد صہیونیوں نے فلسطین کا حصہ، جو برطانوی مینڈیٹ سے انہیں ملا تھا، چھین لینے کے لیے بڑے بڑے دہشت گردانہ حملے کیے۔ فلسطین کے شہروں کے شہر اجاڑ دیے گئے۔ نہتے فلسطینیوں کو ان کے گھروں، زمینوں اور کاروباروں سے اسی طرح نکال دیا گیا جس طرح آج مغربی کنارے سے یہودی بل کہ صہیونی آبادکار فلسطینیوں کو نکال رہے ہیں۔ قابض اسرائیل کو قبضہ برقرار رکھنے کے لیے ان کی ضرورت ہے۔ انہوں نے 1948ء سے پہلے اور اب تک جو دہشت پھیلائی اور ہر خاص و عام فلسطینی کو اس کی ملکیت سے، فلسطین سے نکال دیا۔ یہ بڑے ممالک تب بھی ان کے ساتھ تھے اور آج بھی ہیں۔ انہی کی مدد سے تب جو قیامت برپا کی گئی، اسے نکبہ کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ یہودی آبادکار ہزاروں آتے ہیں، جہازوں میں بھر بھر کر لائے جاتے ہیں، پھر بھی اسرائیل میں، مقبوضہ عرب علاقوں میں کم نظر آتے ہیں۔ جہاں نظر آنا بہت لازمی ہو، گن کے بغیر نظر نہیں آتے۔ فلسطینی پچاس ہزار سے کہیں زیادہ شہید کر دیئے گئے، قربان کر دیئے گئے، پھر بھی برقرار ہیں، ازخود نظر آتے ہیں۔ کتیا کے پلّے ختم ہو جائیں گے، بکری کے یہ بچے عربوں کی روایتی بے رخی اور صہیونیت کے ظلم کے باوجود ختم کیے نہیں جا سکیں گے۔

غزہ پر جاری آتش و آہن کی بارش اور شیخ جراح کے باسیوں کی جبری بیدخلی کے خطرات سے 'نکبہ' کے زخم ایک مرتبہ پھر ہرے بھرے اور تازہ ہو گئے ہیں۔

یوم 'نکبہ' ہر فلسطینی کے لیے ایک ایسا دن ہے جب تباہی و بربادی اور قتل و غارت گری کی داستانیں فلسطینی شہروں، قصبات اور دیہات میں یہودی اور صہیونی جتھوں، مسلح گروہوں اور باقاعدہ فوجی یونٹوں نے یوں رقم کیں کہ ساڑھے سات لاکھ فلسطینی گھروں سے، زمینوں سے اور اپنے علاقوں سے نکال باہر کیے گئے۔ برطانیہ سمیت مغربی قوتیں اسرائیل کی پشت پر کھڑی رہیں۔

'نکبہ' کے 73 سال بعد آج بھی فلسطینیوں کو مشرقی بیت المقدس کے علاقے شیخ جراح میں ایسی ہی جبری بیدخلی کا سامنا ہے اور یہاں پر عالمی طاقتیں اور ان کی پروردہ اسرائیلی عدالتیں اسے قانونی جواز فراہم کرنے کے لیے خم ٹھونک کر سامنے کھڑی ہیں۔

یہودی آبادکار، اسرائیلی فوج اور پولیس فلسطینیوں کی زندگی میں ہر لحمہ بپا ہونے والے 'نکبہ' کے نئے کردار ہیں۔

اسرائیلی مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی پاداش میں فلسطینی مسجد اقصیٰ میں نماز اور اعتکاف کے

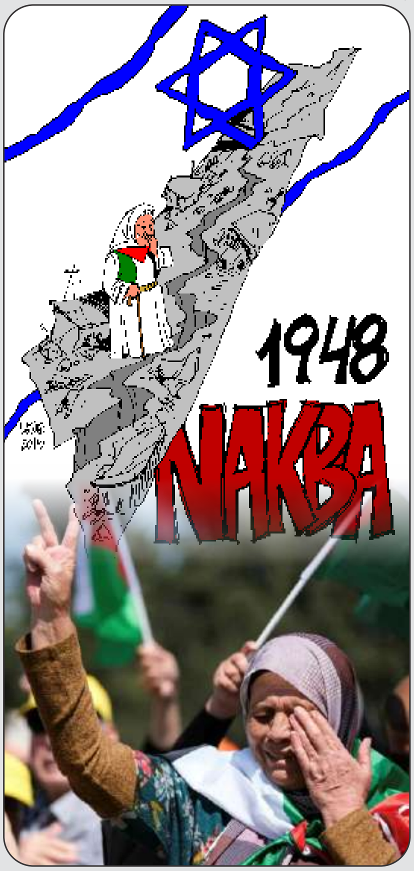

دوران بھی محفوظ نہیں رہے۔

اسرائیلی فوج نے مسجد کے اندر گھس کر سٹن گرینڈز، بدبودار پانی، ربڑ کی گولیوں کی شکل میں ان کے خلاف طاقت کا بے دریغ استعمال کیا۔

'نکبہ' [catastrophe] کا عربی مفہوم قیامت کبریٰ ہے۔ فلسطینی عوام اس دن کو 1947-8 میں 7 لاکھ 50 ہزار فلسطینیوں کو ان کے وطن اور گھروں سے قوت کے استعمال سے جلاوطن کرنے اور ان کی تباہ حال زمینوں، جائیدادوں اور دیگر ملکیتی عمارتوں پر اسرائیل بنانے کے موقع کے طور پر مناتے ہیں۔ اس دن کو منانے کے لیے 15 مئی کا دن مقرر کیا گیا۔ یہ وہ تاریخ ہے جس پر اسرائیل نے اپنی آزادی کا اعلان کیا تھا۔

یوم 'نکبہ' کو غلط ثابت کرنے کے لیے یہودی، اسرائیل میں جوابی مظاہرے کرتے ہیں۔ ان مظاہروں میں ایسے پمفلٹ تقسیم کیے جاتے ہیں جن میں بتایا جاتا ہے کہ فلسطینی عربوں کی نصف آبادی کو قوت کے ذریعے نکال دینے کا فلسطینی دعویٰ محض افسانہ ہے اور اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اسرائیلیوں میں یوم 'نکبہ' کو نظر انداز کرنے کا رجحان بھی سامنے آنے لگا ہے۔ وہ اس لفظ پر عمومی مباحث میں بات کرنے سے کتراتے ہیں۔ وزیر اعظم نیتن یاہو کے حامی اخبار Yisrael Hayom نے تین سال پہلے ان فلسطینی طلبہ کو ایک سکینڈل کے کرداروں کے طور پر نمایاں طور پر پیش کیا تھا جو 1948 کے واقعات کی یاد منا رہے تھے۔

فلسطینی پناہ گزینوں کو ایسے لوگ قرار دیا گیا جن کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا ہو۔ ایسا ہی بیانیہ شیخ جراح سے بیدخلی کا سامنا کرنے والے فسلطینیوں کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے اور اسرائیلی عدالتیں کمال درجے کا نسلی امتیاز روا رکھتے ہوئے اس کی روشنی میں فیصلے صادر کر رہی ہیں۔

اسرائیلی تنظیم Zachrot کی ڈائریکٹر لیات روزن برگ کا کہنا ہے کہ اسرائیل کی آزادی کے دن اور یوم 'نکبہ' کے درمیان ایک ہفتہ حائل ہوتا ہے۔ یہ ہفتہ ہر بار سخت کشیدگی میں گزرتا ہے۔

روزن برگ کی تنظیم کا مقصد یہ ہے کہ اسرائیلیوں کو قائل کیا جائے کہ وہ یوم 'نکبہ' پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کریں۔ جن فلسطینیوں کو نکال دیا گیا تھا، ان کے واپسی کے حق کو تسلیم کر لیا جائے۔

ان کا کہنا تھا کہ ہم ہر سال دیکھتے اور سنتے ہیں کہ یوم 'نکبہ' کے بارے میں عوامی مباحث ہوتے ہیں، ذرائع ابلاغ میں بھی اس دن کی مناسبت سے پروگرام نشر ہوتے ہیں، لیکن میں کہہ سکتی ہوں کہ ماضی میں یہ مباحث زیادہ کھلے انداز میں ہوئے۔ گویا اس موضوع پر عوامی مخالفت میں کمی آ رہی ہے، لوگ ایک دوسرے کی بات سننا چاہتے ہیں، لیکن بدقسمتی سے یہ رجحان صرف عوامی سطح پر ہے۔ حکومتی سطح پر ایسا کچھ نہیں ہونے جا رہا۔

یہ رجحان اس وقت بھی دیکھا اور محسوس کیا گیا جب لندن چینل 10 پر روزن برگ کو ایک ٹاک شو میں مدعو کیا گیا۔

اس شو کو اسرائیل کے سب سے زیادہ اہم نیوز شو کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اس میں Zachort کی طرف سے متعارف کرائی جانے والی موبائیل ایپ پر بات کی گئی۔ اس ایپ کو Nakaba کا نام دیا گیا۔ یہ ایپ اپنے استعمال کرنے والوں کو بتاتی اور دکھاتی ہے کہ 1948 میں فلسطینی آبادی کو ان کے دیہات سے کس طرح بے دخل کیا گیا۔

’نکبہ‘ ایپ جی پی ایس کی مدد سے ایک نقشہ پیش کرتی ہے۔ آپ اس کی مدد سے ایک تباہ حال اور اجڑے گاؤں کے درمیان سے یوں گزرتے جاتے ہیں گویا کہ آپ اس دن وہاں موجود تھے اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان میں بہت سے دیہات ایسے ہیں جن پر یہودی بستیاں بنا دی گئی ہیں۔

یہاں خالی جگہوں پر جیوش نیشنل فنڈ نے جنگلات اگا دیے ہیں۔ ان جنگلات کو نقشے میں ایک پن کی مدد سے دکھایا گیا ہے۔ یہ سہولت بھی دی گئی ہے کہ استعمال کرنے والا اس ایپ کا باقاعدہ خریدار بن جائے تو اس کے موبائل پر نئی تصاویر کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

یہودی حلقے لیات روزن برگ کے کام کو اس طرح سے پیش کرتے ہیں گویا کہ وہ کوئی ایسی خاتون ہیں جو احمقانہ باتیں کرتی ہیں، اس کے پیش کردہ حقائق ایسے نہیں جن پر کوئی صاحب فہم یقین کر سکے۔

یہ سب افسانے، قصے اور کہانیاں ہیں ایک حالیہ ٹی وی پروگرام میں لیات روزن برگ سے اسرائیل کے منجھے ہوئے اینکر پرسن یارون لوزن نے ایسے انداز میں سوالات کیے جیسے کوئی دادا اپنی پوتی سے کچھ دریافت کر رہا ہو۔ اس گفتگو کا لب لباب ایسا تھا کہ یہ ایپ ایک غیر سیاسی موضوع کے بارے میں ہے۔

اسرائیل یوم ’نکبہ‘ کے بارے میں عام طور پر ایسا رویہ اختیار کرتا ہے جس سے معلوم ہو کہ یوم ’نکبہ‘ کوئی عام سا دن ہے اور اس دن چند سر پھرے کچھ سرگرمیاں کرتے رہتے ہیں۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وہ [اسرائیل] اس بات کی مکمل نفی اور تردید کرتا ہے کہ 1948 میں عربوں کو ان کی آبادیوں سے وحشیانہ قوت استعمال کر کے نکال دیا گیا تھا۔

لیکن اسرائیل یہ حقیقت بھول جاتا ہے کہ تاریخ کو شہادت فراہم کرنے والے ابھی ایسے عرب اب بھی باقی ہیں جو اس قیامت خیز وقت میں خود موجود تھے۔ اسرائیل کے ایک اور دائیں بازو کے مصراری شاویت امریکی میڈیا کے ایک پروگرام میں شریک گفتگو تھے۔ انہوں نے ایک مختلف زاویہ سے بات کی۔ انہوں نے اللد نامی شہر سے عربوں کو نکالنے والے یہودیوں، جتھوں اور گروہوں کو سراہا اور کہا کہ انہوں نے بالکل درست کام کیا۔ اس نے اس دوران میں ہونے والے قتل عام کی بھی حمایت کرتے ہوئے کسی نوعیت کی شرم محسوس نہیں کی۔ انہوں نے یہودی ریاست کے قیام کے لیے ان واقعات کو لازمی قرار دیا۔ یہی وہ رویہ ہے جس کی مذمت روزن برگ کی تنظیم کر رہی ہے۔

یوم ’نکبہ‘ کے حوالے سے ان دنوں فلسطینی حلقوں میں ایک نئی سوچ اور بھی ابھری رہی ہے۔ یہ بات کہی جا رہی ہے کہ فلسطینی مزاحمت کی ناکامی کی وجہ یہ نہیں کہ قربانیاں دینے والے تھک گئے بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ عرب اشرافیہ نے سامراجی قوتوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔

یہ طبقات اور فلسطینی لیڈرشپ اب سفارت کاری پر زیادہ انحصار کرنے لگی ہے۔ یہ قیادت مغربی قوتوں کی بے پناہ طاقت سے مرعوب ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بین الاقوامی برادری اور عرب لیگ اسرائیل کے قبضے کے خلاف کسی مزاحمت کے قابل نہیں رہے ہیں۔

تاریخ کا سبق یہ ہے کہ 1918 میں برطانوی عہد میں یہودیوں کا پہلا فوجی یونٹ فلسطین میں داخل ہوا تھا۔ بیت المقدس میں اس یونٹ کی قیادت جنرل ایلینس بے کر رہے تھے۔ یہ وہی جنرل تھے جنہوں نے اس خطے کو فتح کرنے والے دستے کی قیادت کی تھی۔ یہ یونٹ برطانوی کابینہ کے اس اعلان کے بالکل ایک سال بعد فلسطین میں داخل ہوا تھا کہ یہاں یہودیوں کو گھر دیا جائے گا۔ یہ اعلان برطانیہ نے بالفور معاہدے کے بعد ہی کر دیا تھا۔

1920 کے عشرے کے آغاز سے ہی فلسطینی یہ جان چکے تھے کہ یہودی ان کے ملک پر قابض ہو رہے ہیں۔ انہوں نے اس قبضے کے خلاف مزاحمت منظم کرنا شروع کر دی تھی۔ انہوں نے احتجاجی جلسے کرنے اور جلوس نکالنے کے ساتھ سول نافرمانی کی تحریک کا بھی آغاز کر دیا تھا۔

سیاسی لیڈرشپ لندن وفود بھیج رہی تھی جس کا موضوع تھا کہ فلسطینی مسئلے کا کیا بنے گا؟ یہ وفود اپنے عرب بھائیوں سے بھی مدد اور تعاون طلب کرتے، درخواست کرتے رہ گئے۔ کوئی ان کی مدد کو پہنچا اور نہ ہی کسی نے ان کا ساتھ ہی دیا۔

ایک طرف برطانیہ یہودیوں کو دنیا کے مختلف حصوں سے جہازوں میں لاد کر فلسطین لا رہا تھا جبکہ فلسطینی رہنماؤں کی ناکامی یہ رہی کہ وہ صرف سفارت کاری سے اس معاملے کو حل کرنے میں لگے رہے۔ برطانیہ نے صہیونی ملیشیاؤں کو مسلح کرنے کا سلسلہ تیزی سے مکمل کیا۔

اس کے ساتھ ہی فلسطینیوں پر دہشت گردی کے مسلح حملے ہونے شروع ہو گئے تھے۔ فلسطینیوں کو برطانیہ نے ان کے علاقوں اور دیہات تک محدود ہی نہیں کیا بلکہ قید کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فلسطینیوں کو گھیر کر اور انہیں نہتا کر کے ان کا قتل عام کیا گیا اور جو بچ رہے انہیں انتہائی بے دردی سے کسمپرسی کے حال میں جلاوطن ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔

برطانوی فوجی قوت اس سارے معاملے میں بنیادی کردار ادا کر رہی تھی۔ اس فوجی قوت کے خلاف عوامی مزاحمت 1936 میں ہی اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ پورے فلسطین میں بہت بڑے احتجاجی پروگرام ہو رہے تھے۔ برطانوی فوج مظاہرین کو گرفتار کر لیتی، ان کے گھر مسمار کر دیے جاتے۔

فلسطینی یہ جنگ 1948 میں نہیں ہارے تھے۔ انہیں تو 1930 کے عشرے میں ہی ظلم، بے دخلی، قتل و غارت، قید و بند اور دیگر طریقوں سے بے بس کر دیا گیا تھا۔ صہیونیت کا عفریت پورے تباہ کن انداز میں سامنے تھا۔

صہیونیوں کو مسلح کرنے میں برطانیہ نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ 1939 تک فلسطینی عوام قتل و غارت گری سے بے حال کیے جا چکے تھے۔ ان کے لیے ہر دن یوم نکبہ تھا جو تباہی و بربادی کی نئی داستانیں رقم کر جاتا تھا۔

جب عوامی مزاحمت کو راستہ نہ ملے اور لیڈرشپ کے سامنے کوئی راہ ایسی نہ رہے جس سے تازہ ہوا کا جھونکا ہی آ سکے تو مزاحمت کو کچلنا قدرے آسان ہو جاتا ہے۔

1948 کے وہ مہ و ایام اسی کیفیت کے ترجمان بنے۔ لاکھوں فلسطینی بے گھر، بے دخل کر دیے گئے اور یوم نکبہ تباہی، بربادی، قتل و غارت کا نشان بن کے رہ گیا۔

غزہ پر جاری آتش و آہن کی بارش اور شیخ جراح کے باسیوں کو ان کے گھروں سے بیدخلی کے خطرات دیکھتے ہوئے اس دن کی آمد پر ’نکبہ‘ کے زخم ہرے بھرے اور ایک مرتبہ پھر تازہ ہو گئے ہیں۔

دنیا کے 57 ملک اور ان کی نمائندہ تنظیمیں ماضی کی طرح سفارتی کوششوں اور مذاکرات کی میز سجائے بیٹھے ہیں جبکہ اسرائیلی جنگی مشین فلسطینیوں کے خون سے ہولی کھیل رہی ہے اور کوئی اس کا ہاتھ روکنے والا نہیں۔ |بشکریہ: انڈیپنڈنٹ اردو|

خصوصی رپورٹ

طویل نکبہ

اسرائیل کے قیام پر لاکھوں فلسطینیوں کی بے دخلی کو 77 سال مکمل

اسرائیل کے قیام پر لاکھوں فلسطینیوں کی بے دخلی کو 77 سال مکمل ہونے پر بھی فلسطینی شہری 'ایک طویل نکبہ' کا سامنا کر رہے ہیں۔

قطری نشریاتی ادارے 'الجزیرہ' کی رپورٹ کے مطابق فلسطینیوں نے مقبوضہ مغربی کنارے کے شہر رام اللہ میں نکبہ، یا 'تباہی' کی یاد میں احتجاجی مارچ کیا، 1948 میں اسرائیل کے قیام کے دوران لاکھوں فلسطینیوں کو بے دخل کر دیا گیا تھا۔

اکتوبر 2023 سے اب تک غزہ میں 52 ہزار سے زائد فلسطینی شہید ہو چکے ہیں، اور امداد کو روکنے کے لیے ڈھائی ماہ کی طویل ناکہ بندی قحط کا خطرہ پیدا کر رہی ہے، جب کہ اسرائیلی رہنما فلسطینیوں سے یہ علاقہ خالی کروانے کی خواہش کا اظہار کر رہے ہیں۔

1967 سے اسرائیل کے قبضے میں موجود مغربی کنارے میں اسرائیلی افواج نے بڑے فوجی آپریشن کے حصے کے طور پر مہاجر کیمپوں سے ہزاروں کو بے گھر کر دیا ہے، یہ سال نکبہ کے 77 ویں سال مکمل ہونے کا ہے، جب اسرائیل نے اس علاقے میں خود کو ایک آزاد ریاست قرار دیا تو اس دوران تقریباً ساڑھے 7 لاکھ فلسطینیوں کو اپنی زمینیں چھوڑنی پڑی تھیں، یا انہیں جبری بے گھر کیا گیا تھا۔

رام اللہ شہر میں نوجوان سڑکوں پر فلسطینی جھنڈے اور واپسی کے نشان والے کالے جھنڈے لہرا رہے تھے، جب کہ اسکول کے بچوں کو شہر کے مرکز میں تقریب میں شرکت کے لیے بسوں میں منتقل کیا گیا۔

ایک تقریب میں نوجوان فلسطینی 'کفایہ' پہنے ہوئے جھنڈے لہرا رہے تھے، اور بڑی چابیاں تھامے ہوئے تھے، جو اس بات کی علامت ہے کہ یہ ان کے کھوئے ہوئے گھروں کی چابیاں ہیں، جو اب اسرائیل میں ہیں اور یہ خاندان اپنے گھروں کی طرف واپس آنے کی امید رکھتے ہیں۔ غزہ میں اس حوالے سے کوئی پروگرام ترتیب نہیں دیا جا سکا، کیوں کہ وہاں 19 ماہ سے زیادہ کی جنگ اور اسرائیلی بمباری نے رہائشیوں کو بے گھر اور محتاج کر دیا ہے۔

موامن الشربینی، جنوبی غزہ کے شہر خان یونس کے رہائشی ہیں، انہوں نے خبر رساں ادارے 'اے ایف پی' کو بتایا کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ تاریخ خود کو دہرا رہی ہے۔

انہوں نے کہا کہ ہمارے لیے غزہ میں زندگی 'ایک طویل نکبہ' بن چکی ہے، عزیزوں کو کھو دینا، ہمارے گھروں کا تباہ ہونا، ہمارے روزگار کا ختم ہونا، اس کی واضح علامات ہیں۔

غزہ کے 24 لاکھ لوگوں میں سے تقریباً سب کو اسرائیل کی جنگ کے دوران کم از کم ایک بار بے گھر کیا جا چکا ہے۔

(بشکریہ: ڈان نیوز)

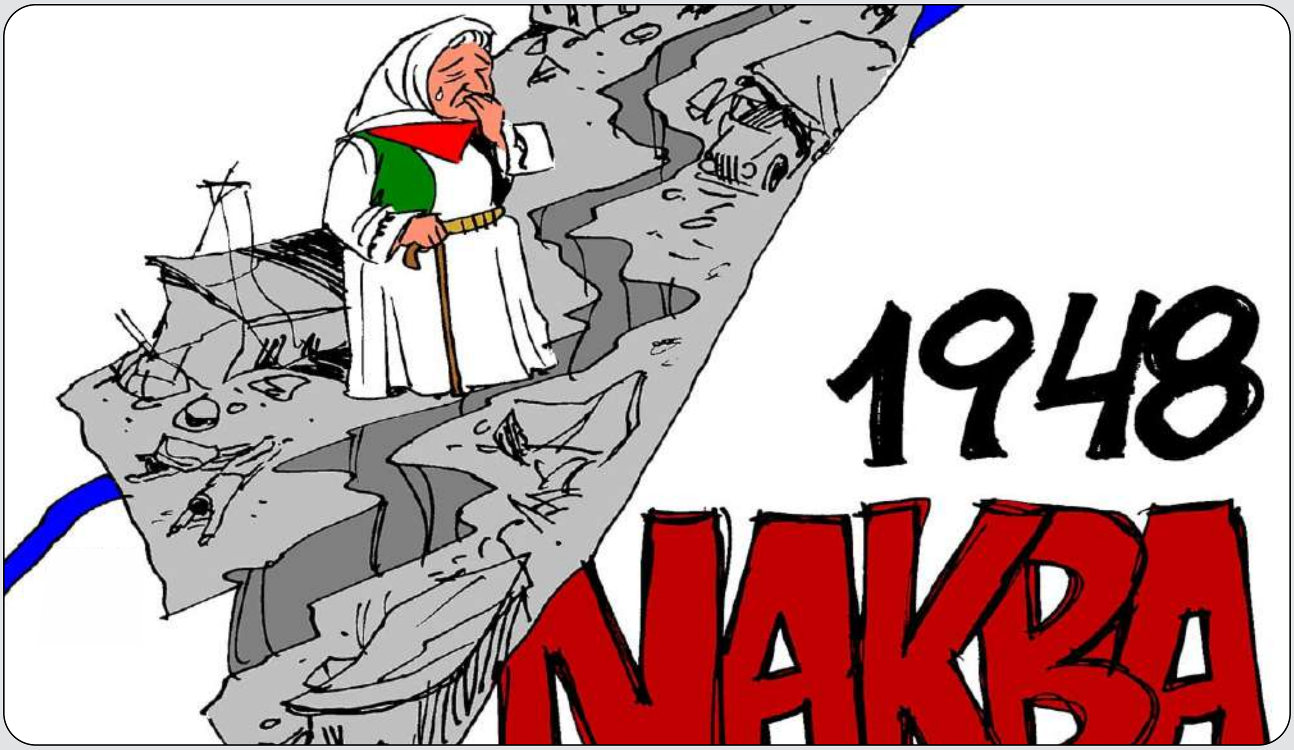

رائے سرائے: عباس ناصر

دوسرا ''نکبہ'' یورپ اور شرق اوسط کو دہلا دے گا!

اسرائیلی قابض قوت نے اپنے فوجی ریزورسٹ کو بلا کر اب پہلے کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ فوجیوں کو مقبوضہ پٹی میں تعینات کر دیا ہے۔ غزہ میں بھوک اور خوراک کی قلت کی صورت حال پر تمام بین الاقوامی اداروں کی جانب سے توجہ دلوائے جانے کے باوجود آٹھ ہفتے سے زائد عرصے سے خوراک کی امداد کے راستے بند ہیں جبکہ بمباری کی بڑھتی شدت نے ظاہر کیا ہے کہ نسل کشی کی مہم کو تیز کر دیا گیا ہے۔ یہ تمام حالات ظاہر کرتے ہیں کہ اسرائیل کے فوجی مقاصد انتہائی واضح ہیں۔

اسرائیل کا مؤقف ہے کہ اس کا آپریشن تمام یرغمالیوں کی رہائی کے لیے ہے۔ تاہم بہت سے لوگ سچائی سے آگاہ ہیں اور ان میں سے ایک مارک سیڈن بھی ہیں جو سماجی رابطے کی ویب سائٹ ایکس پر نسل پرست حکومت کی غزہ میں جاری مہم کو وہی کہنے کی جرأت کر رہے ہیں جو حقیقت میں وہ ہے جیسے نسل کشی اور حالیہ تاریخ میں ظلم کی بدترین مثال وغیرہ۔

وہ کہتے ہیں، '(ملٹری کارروائی کے ذریعے) اسرائیل صرف 8 یرغمالی رہا کروا سکا ہے، 33 انہیں کی فضائی بمباری میں مارے گئے جبکہ 148 کو مذاکرات کے ذریعے رہائی ملی۔ بات یرغمالیوں کی رہائی سے متعلق نہیں بلکہ یہ فلسطینیوں کے خاتمے کے بارے میں ہے۔ لوگوں کو اس بات کو احساس کب ہوگا؟'

غزہ میں تباہی کے مناظر ناقابلِ بیان ہیں۔ اردو لغت کی کوئی بھی صفت اس ظلم کو بیان نہیں کر سکتی۔ ہولوکاسٹ میں ہزاروں یہودیوں کے بے رحمانہ قتل کے بعد دنیا نے اعادہ کیا تھا کہ ایسا دوبارہ کبھی نہیں ہوگا۔ واضح طور پر کسی کے لیے بھی یہ وعدہ اہمیت کا حامل نہیں تھا۔

جمہوری مغربی ممالک اور ان کا میڈیا واضح طور پر اس تنازع میں صرف ایک فریق کی جانب جھکاؤ رکھتا ہے۔ ایسا کر کے وہ انسانیت، 'معروضیت' اور ان 'اقدار' کے احساسات کو کھو چکے ہیں جن کا وہ دعویٰ کرتے ہیں۔

نسل پرست اسرائیلی حکومت کی سب سے بڑی کامیابی فلسطینیوں کو بطور دشمن پیش کرنا اور غزہ میں ان کی نسل کشی کو معمول بنانا ہے۔ چاہے شہادتوں کی تعداد 50 ہزار ہو، 75 ہزار یا ایک لاکھ، یہ کسی کے ضمیر کو نہیں جھنجھوڑ رہا یا ان لوگوں کو شہادتوں کی تعداد سے کوئی فرق نہیں پڑتا جن کے ہاتھوں میں اقتدار ہے۔

اگر کسی نے غزہ کے مناظر نہیں دیکھے تو ان کے لیے بیان

کر دیتا ہوں۔ مقتول بچوں کے خون آلود چہرے اور ہاتھ پاؤں کٹی لاشیں، شدید زخمی افراد، غم زدہ مائیں، ہسپتال کے بستروں پر لیٹے ہوئے جلے ہوئے مریض جو بمباری کی زد میں آئے جبکہ صحت عامہ کا ناامید عملہ ان مریضوں کو خود اٹھا رہا ہے اور یہ عملہ خود ہاری ہوئی جنگ میں بنیادی صحت کی سہولیات اور ادویات کے بغیر زندگیاں بچانے کی کوشش کر رہا ہے، وہ بھی اس صورت میں ممکن ہے کہ اگر وہ خود ڈرونز کے حملوں میں زندہ بچ جائیں۔

شاید لوگوں کو شعور آجائے لیکن ان 18 ہزار شہید بچوں کے لیے بہت دیر ہو چکی ہے جن کی عمر 10 سال سے بھی کم تھی۔ گھروں، ہسپتالوں، اسکولز، سول انفرااسٹرکچر کی تباہی اور امدادی تنظیموں پر پابندیوں کے علاوہ، غیر ملکی صحافیوں کو بھی کوریج سے روکا جا رہا ہے کیونکہ غیر ملکی صحافیوں کو غزہ کے مقامی صحافیوں کی طرح ’حماس‘ قرار دے کر مارنا آسان نہیں۔ غیر ملکی میڈیا کو اس لیے روکا جا رہا ہے تاکہ غزہ سے باہر دنیا کو نسل کشی اور قتلِ عام کی خبر نہ ہو سکے کیونکہ اگر انہیں علم ہو گیا تو یہ عالمی حکومتوں کے مردہ ضمیروں کو جھنجھوڑ دے گا۔

جی، میں نے حکومتیں لکھا کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ مغرب میں مقیم کوئی عام آدمی یا عورت ایسے گھناؤنے جرم کی توثیق نہیں کریں گے جس کی ان کی حکومت نے اسرائیل کا دفاع کا حق قرار دے کر حمایت کی ہے۔ نہ عرب دنیا کے عوام اپنی حکومتوں کے ساتھ ہوں گے کہ جنہوں نے فلسطینیوں سے منہ موڑ لیا ہے۔

اگرچہ امریکا سے لے کر جرمنی، برطانیہ تک مظاہرین کو کچلنے اور ان کی حوصلہ شکنی کرنے کے لیے قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں کی طرف سے قوانین اور اختیارات کا سخت استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود غزہ سے سامنے آنے والی تصاویر مظاہرین کو اپنے ضمیر کی پکار کے جواب میں اٹھ کھڑے ہونے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ بیشتر عرب ممالک میں حکومتی دباؤ کی صورت حال زیادہ سنگین ہے، یہی وجہ ہے کہ وہاں سڑکیں خاموش ہیں۔

کئی ماہ سے بھوک سے لاغر، کمزور بچوں اور خون میں لت پت خاندانوں کی تصاویر دیکھنے کے بعد، آزاد میڈیا رپورٹس کے مطابق شہادتوں کی تعداد لاکھ تک پہنچ چکی ہے جس کے بعد مغربی رہنما بھی بے چینی محسوس کرنے لگے ہیں۔

ان کے بنائے ہوئے دہرے معیار ہی ان کے سامنے آرہے ہیں کیونکہ وہ ایک جانب مسلسل ’ہماری اقدار، انسانیت‘ کی بات کرتے ہیں لیکن جب بات نہتے فلسطینیوں کی آتی ہے تو یہ تمام اصول بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اب ڈونلڈ ٹرمپ، کیئر اسٹارمر اور ایمانوئل میکرون ایسے عالمی رہنماؤں میں شامل ہیں جنہوں نے غزہ میں غذائی امداد کی بندش پر مشروط تشویش کا اظہار کیا ہے۔

مسلم دنیا کے رہنماؤں کے بارے میں جتنی کم بات کی جائے اتنا بہتر ہے۔ بہت سے امیر ترین اور طاقتور رہنماؤں نے ڈونلڈ ٹرمپ کے شاندار استقبال کے بعد ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے انہیں ہر طرح کے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ لیکن جیسا کہ توقع تھی، ان مسلم رہنماؤں نے غزہ میں ہونے والی نسل کشی کے

بارے میں کم بات کی۔

شاید امریکی صدر کے دورے سے پہلے امریکی اور اسرائیلی میڈیا میں لیکس کا مقصد میزبانوں کو بہتر محسوس کروانا تھا اور انہیں ٹرمپ کا پرتپاک استقبال کرنے کا جواز فراہم کرنا تھا۔ ڈونلڈ ٹرمپ کے دورے سے قبل خبروں میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ وہ بنیامن نیتن یاہو سے ناراض ہیں۔

لیکن اس بات کے واضح اشارے ہیں کہ غزہ سے فلسطینیوں کو نکالنے کے مزید ظالمانہ منصوبے اب بھی بنائے جا رہے ہیں جیسا کہ امریکی نیوز نیٹ ورک این بی سی نے بتایا۔ اس سے پہلے کہ امریکی صدر کا طیارہ مشرقِ وسطیٰ سے وطن واپسی کے لیے روانہ ہوتا، این بی سی نے رپورٹ کیا کہ غزہ سے 10 لاکھ فلسطینیوں کو لیبیا منتقل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔

چار مختلف ذرائع نے این بی سی کو امریکی منصوبے کی تصدیق کی۔ اس منصوبے میں باراک اوباما، نکولس سرکوزی اور ڈیوڈ کیمرون کی نام نہاد ’قوم سازی‘ کی کوششوں کے بعد غیر مستحکم اور انتہائی لاقانونیت کا شکار ہونے والے ملک لیبیا کے لیے مراعات کی بھی پیش کش کی گئی ہے۔ معاہدے کی صورت میں امریکا لیبیا کے اربوں ڈالرز کے اثاثوں کو غیر منجمد کر دے گا۔

اس پیش کش سے یورپی اور عرب رہنماؤں کو خبردار ہو جانا چاہیے۔ عرب ممالک کو نکبہ دوم کی صورت میں سڑکوں پر متوقع عوامی بھونچال سے خوفزدہ ہونا چاہیے جنہیں ان کی مضبوط حکومتیں بھی قابو میں نہیں کر پائیں گی۔ لیبیا کے ساحلوں سے پناہ گزینوں کی مسلسل آمد کے خدشے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انتہائی دائیں بازو کے عروج کی وجہ سے یورپی معاشرے پہلے ہی بے چینی کا شکار ہیں۔

انہیں فکر کرنی چاہیے کہ اگر لاکھوں فلسطینیوں کو زبردستی ان کی زمین سے بے دخل کیا گیا تو کیا ہوگا۔ ناراض اور مایوس فلسطینی لیبیا میں نہیں رہنا چاہتے۔ وہ بحیرہ روم کے ذریعے یورپ جانا چاہیں گے اور چند پناہ گزینوں کے پہنچنے سے بڑے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ یورپ میں انتہائی دائیں بازو اسے مزید خوف اور بے امنی پھیلانے کے لیے استعمال کریں گے۔

حال ہی میں القاعدہ سے منسلک ایک گروپ کی قیادت کرنے والے شامی صدر احمد الشرع جن کے سر پر ایک کروڑ ڈالرز کا انعام تھا، ڈونلڈ ٹرمپ اور کئی یورپی رہنماؤں کے ان سے مصافحے نے سنگین سوالات کو جنم دیا ہے۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ غزہ کا مسئلہ ’دہشت گرد گروپ‘ حماس نہیں بلکہ گریٹر اسرائیل کے قیام کا عزم ہے۔ مغرب اور دیگر ممالک کو فیصلہ کرنا پڑے گا کہ انہیں ایسے عزائم کی حمایت کرنے سے کیا حاصل ہوگا؟ [بشکریہ ڈان اردو]

کالم نگار عباس ناصر ڈان اخبار کے سابق ایڈیٹر ہیں۔ ڈان کی اٹھارہ مئی کی اشاعت میں شامل ان کے انگلش میں شائع کالم کا اردو ترجمہ ڈان اردو کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

جائزہ: مرزا محمد الیاس

اسرائیل امن کانفرنس: متضاد بیانات، حقائق سے فرار

غزہ کمیونٹی کے بانی، مینٹل ہیلتھ پروگرام کے محرک ڈاکٹر عیاد السراج مرحوم نے بجا طور پر کہا تھا کہ غزہ کے فلسطینی سخت تھکاوٹ زدہ، تکلیف سے، درد سے بھرے ہوئے اور شدید مظالم سے دوچار کردیے گئے ہیں۔ یہ سارے اذیت بھرے تاثر طولکرم کی نوجوان بیوہ اور ماں کے چہرے پر آسانی سے پڑھے جاسکتے ہیں جو اپنے گھر بار سے دربدر ہونے پر مجبور کردی گئی۔ سختی سے اپنے بچے کے ہاتھ کو تھامے، اس کے لباس کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھی۔ وہ بزبان حال وقال سے کہہ رہی تھی: ’’آپ سب نے ہمیں بھلادیا ہے۔‘‘

’’میں اسے یقین دلانا چاہتا تھا کہ ایسا نہیں ہے۔ وہ ہمیں یاد ہے۔‘‘

اسے یقین دلانے والے ڈاکٹر عیاد السراج بھی مرحوم ہوگئے۔

اسرائیل کے بائیں بازو کے سیاسی لیڈروں نے 8 اور 9 مئی کو مقبوضہ بیت المقدس میں ’’امن کانفرنس‘‘ منعقد کی۔ یہ کانفرنس صہیونیت کے حقائق سے نگاہیں چرانے والوں نے برپا کی تھی۔ اس کا مقصد دراصل غزہ میں جاری منظم نسل کشی (Genocide) سے دنیا کی توجہ ہٹانا تھا۔ اس کانفرنس کو People's Peace Summit Time Has Come کا نام دیا گیا تھا۔ امن کے بینر کے نیچے 60 اسرائیلی تنظیمیں امن کے پردے میں جمع ہوئی تھیں۔ اس کانفرنس کا دعویٰ تھا کہ اسرائیل اور فلسطین تنازعہ کا سیاسی حل تلاش کرنے کا وقت آگیا ہے۔ یہ کوئی سیاسی تنازعہ نہیں ہے۔ یہ فلسطین پر قوت کے بل پر قبضے کا معاملہ ہے۔

اس سربراہی اجلاس میں صرف وہی عناصر جمع تھے جو اسے ایک سیاسی اختلاف بھی قرار نہیں دیتے۔ انہوں نے کانفرنس کے باقاعدہ انعقاد سے پہلے اسرائیل بھر میں دورے کیے، ورکشاپس منعقد کیں، فلمیں پیش کیں اور غزہ میں جاری انسانوں کے قتل عام کو محض ایک سیاسی تنازعہ کے طور پر پیش کیا۔ اس میں کی گئی تقاریر میں کہا گیا کہ ہم امن کی بنیاد پر عالمی منظر سامنے لا رہے ہیں۔

اس کانفرنس کی ویب سائٹ پر کہا گیا کہ ایک ایسے ڈائیلاگ کو فروغ دینے کی ضرورت ہے جو فلسطینیوں اور اسرائیلیوں کے درمیان ہو، جس سے ایک وسیع تر معاشی تبدیلی کا آغاز کیا جائے اور یہ باور کرایا جائے کہ ایک طویل جنگ کے بعد بھی مزاکرات کرنا پڑتے ہیں۔

اس کانفرنس کے منتظمین نے کمال ہوشیاری اور چالاکی سے خود کو امن اور فلسطینیوں کو جنگ جُو قرار دیا اور یہ پیغام دینے کی کوشش کی کہ بالآخر ہماری شرائط تسلیم کرنا پڑیں گی۔ اسی کو انہوں نے The Time Has Come کا عنوان دیا۔

یہ دراصل ایک خطرناک انداز میں دنیا کو گمراہ کرنے کی حکمت عملی تھی۔ اس کانفرنس میں استعمال کی گئی زبان کا مقصد غزہ کے حالات کو نیا رنگ دینا تھا تاکہ اس حقیقت کو غلط ثابت کیا جائے کہ غزہ میں کوئی منظم نسل کشی جاری ہے۔ اس کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ دنیا کو اس سیاسی تنازعہ میں فریق بننے کی ضرورت نہیں ہے۔

بہت سے ذہنوں میں سوال آسکتا ہے اور یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ اسرائیل کی عوام اس وسیع پیمانے پر ہونے والے قتل عام پر خاموش کیوں ہے؟ اس کا سادہ جواب یہ ہے کہ اس پبلک کا بڑا حصہ انتہائی دائیں بازو سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے لیے یہ صورت حال ان کے

مذہبی عقائد کے عین مطابق ہے۔ یہ ایسے نظریات ہیں جو گہرے مذہبی اور قوم پرست نقطۂ نظر کے تحت ترتیب پا رہے ہیں۔ ان کی پشت پر صیہونیت کی گہری گرفت کام کر رہی ہے۔

مارچ 2025ء میں اسرائیل کے ڈائریکٹ پول انسٹی ٹیوٹ نے ایک سروے کرایا جس میں 60 فیصد کی رائے میں غزہ میں جو کچھ ہو رہا ہے، درست ہو رہا ہے۔ اسرائیلی سیاست کو خاص رخ میں لے جانے کی کوشش میں اس حقیقت کو کامیابی سے اسرائیل دشمنی پر مبنی قرار دیا جاتا ہے کہ سارے بین الاقوامی دباؤ، عالمی سطح پر ہونے والی مذمت اور مخالفت کھوکھلی اور بے بنیاد ہے۔

اس کا ایک اور رخ یہ ہے کہ اسرائیل کا لبرل طبقہ یا خود کو لبرل کہلانے والا طبقہ ایسی کوئی بھی کال اپنی حکومت کو دینے پر ہرگز تیار نہیں ہے کہ غزہ میں جاری نسل کشی کو بند کیا جائے۔ وہ اس جرم میں برابر کا شریک ہے اور کوئی احتجاج بھی نہیں کرتا۔

اسرائیل کی مذہبی و سیاسی جماعتیں اور نام نہاد سول سوسائٹی کی تنظیمیں سب کچھ کرنے کو تیار ہیں لیکن غزہ میں نسل کشی ہو رہی ہے، اسے ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ غزہ میں کوئی بھی جنگ نہیں ہو رہی بل کہ انسانوں کا منظم قتل عام ہو رہا ہے۔ اس سنگین صورت حال کے جاری رکھنے کے حق میں ملفوف بیانات دینے کا سلسلہ جاری ہے اور اسے حب الوطنی کے سرٹیفیکیٹ کے طور پر آگے بڑھایا جا رہا ہے۔

اسرائیل کے اندر آرٹسٹس سٹیج پر کھڑے ہو کر غزہ میں جاری وحشت کے حق میں گانے گا رہے ہیں اور ان میں صاف کہا جا رہا ہے کہ اتنے مارے گئے ہیں اور اس سے زیادہ اب بھوک سے مر جائیں گے۔ جس قدر بچ رہیں گے، انہیں افواج چن چن کے مار دے گی۔

غزہ پر حالیہ بمباری میں اوسطاً 100 لوگ مارے جا رہے ہیں۔ نصیرات کیمپ کے ریستوران اور ایک مارکیٹ پر حملوں میں اتنے ہی فلسطینی مارے گئے، ان میں زیادہ تر عورتیں اور بچے شامل تھے۔

ان حملوں کا کوئی وقت، شیڈول یا مقصد نہیں ہے، صرف فلسطینی مرنے ہیں۔ اسرائیل اب بھوک کا ہتھیار استعمال کر رہا ہے۔ اسے اس بات کی قطعی پرواہ نہیں ہے کہ یہودی اسرائیلی عوام اس بارے میں کیا سوچ رہی ہے۔ یہ سب کچھ ان کے نام اور ان کے تعاون سے ہی ہو رہا ہے۔ وہ اس منظم نسل کشی سے ہرگز الگ نہیں ہیں۔

اس کانفرنس کا سب سے مضحکہ خیز کام یہ سامنے آیا کہ اس کے ذریعے ایک نقشہ جاری کیا گیا جس کا عنوان رکھا گیا: ''امن اور محبت بھرا نقشہ۔۔ اسرائیل/ فلسطین 2040ء''

یہ ایک تصوراتی نقشہ تھا جس میں اسرائیل کو سمندر اور دریا کے درمیان خطے پر محیط دکھایا گیا۔ اس میں دکھایا گیا کہ اسرائیل دریائے اردن کے پار اردن تک اور رفاہ سے آگے مصر تک پھیلا ہوا ہے۔ غزہ بھی اس تصوراتی یہودی سلطنت کا حصہ ہے۔ یہ کسی مشترکہ زندگی کا خاکہ نہیں ہے۔ یہ نوآبادیاتی تخیل ہے جس سے دکھایا گیا ہے کہ اسرائیل دریائے اردن کے پاس سے سمندر تک پھیل گیا ہے۔

صحافی اور لے نووے نے BT selen کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے اس امن کانفرنس کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ انہوں نے کانفرنس کو ''گمراہ کن مراعات'' کا پلندہ قرار دیا۔ اس خاتون صحافی نے کہا کہ ایک طرف تباہ شدہ غزہ ہے اور دوسری طرف امن امن کا راگ الاپتی ورکشاپس، بین المذاہب دعائیہ مجالس اور مستقبل کے سنہرے لیکن خون آلود مناظر ہیں۔ انہوں نے دنیا کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ کانفرنس کے ڈسکشن پینلز میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جس میں غزہ میں جاری نسل کشی کو زیر بحث لایا گیا ہو۔ ان کے مطابق اس کانفرنس کا ایک ہی مقصد تھا۔ وہ مقصد یہ تھا کہ اسرائیلی بہتر محسوس کریں اور وہ اس سچائی کا سامنا کرنے کا سوچیں بھی نہیں کہ ان کا نام لے کر غزہ میں کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔

کانفرنس کے منتظمین میں سے رالو کا گانیہ بھی تھیں۔ انہوں نے نووے پر الزام لگایا کہ وہ وزیر اعظم نیتن یاہو کے ایجنڈے پر کام کر رہی ہیں اور اسرائیلی قوم کو تقسیم کرنا چاہتی ہیں۔ انہوں نے اصرار کیا کہ جنگوں کے بعد سیاسی ادارے وجود میں آتے ہیں تاکہ وہ سفارتی روابط قائم کر سکیں۔ اس لیے زیادہ توانائی اس طرف لگانی چاہیے کہ ان نئے بننے والے سیاسی اداروں کے خدوخال کیا ہوں گے۔

اس کانفرنس کے لیے تیار کیے گئے ڈرافٹ میں کہا گیا کہ غزہ میں یا کہیں بھی منظم نسل کشی نہیں ہو رہی۔ بعض دہشت گردوں کا صفایا کیا جا رہا ہے جن کا زیادہ تر تعلق حماس یا اس جیسی دیگر تنظیموں سے ہے۔ کانفرنس ایسی ہر تنقید کو مسترد کرتی ہے جو داخلی طور پر کی جا رہی ہے۔ یہ تنقید قومی اتفاق رائے کو محفوظ بنانے کی کوششوں کی نفی ہے۔ اس اتفاق رائے کو چیلنج کرنا ملک سے محبت نہیں ہے۔

کانفرنس کے شرکاء نے گانیہ کے بارے میں کہا کہ ان کا مؤقف درست نہیں ہے۔ منظم نسل کشی کبھی سفارت کاری سے ختم نہیں ہوا کرتی۔ یہ سب کچھ ختم کر دیتی ہے۔ یہ بالکل اسی طرح جیسے جفہ، حیفہ، آکرے اور دوسری جگہوں سے فلسطینیوں کا خاتمہ ضروری ہے۔ ان کی 1948ء میں بھی نسلی صفائی کی گئی تھی۔ آج کی تاریخ سب کو یاد رہنی چاہیے۔ اسرائیل نے ان کو واپسی کا حق کبھی دیا ہے اور نہ ہی کبھی دے گا۔

اب اس بات پر کوئی بحث کا امکان نہیں ہے کہ آنے والے کل کے بعد کیا ہوگا؟ کسی سیاسی حل کے لیے کسی بھی نوعیت کے مذاکرات کی قطعی گنجائش بھی نہیں ہے۔

اسرائیل کے بائیں بازو کے طبقہ کا کردار لوگوں کو یاد رہے گا جو حالات کا ساتھ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور ان سے کم سے کم جو کچھ ہو سکتا تھا، انہوں نے کیا ہے۔ ہم جس نوعیت کی دہشت گردی ہو رہی ہے، اسے تسلیم کرتے ہیں۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ اسرائیل کو ایک بڑا چیلنج درپیش ہے، اس نے انتہائی رائٹ ونگ اور نیتن یاہو کا ساتھ دیا اور خود کو قومی اتفاق رائے کے ساتھ منسلک کیا ہے۔ ہم بچوں کی طویل بھوک کی مذمت کرتے ہیں۔

اس کانفرنس نے واضح کیا ہے کہ اس موقع پر کسی نوعیت کے کوئی ڈائیلاگ نہیں ہوں گے۔ بیس ماہ کی منظم نسل کشی کے بعد لوگوں کو یہ بات اب سمجھ لینی چاہیے کہ فلسطینی ہونا کیا معانی رکھتا ہے۔ اب کسی قسم کا تعاون صرف لیفٹ کے سیاستدانوں کو سمجھانے کے لیے ہی ہوگا۔ اب اس متنازعہ دھوکے کا سب کو سامنا کرنا پڑا گا کہ فلسطینی آج بھی مذاکرات کے حق میں ہیں، وہ آج بھی پر امید ہیں۔

آج جب کہ بچے، عورتیں اور مرد بھوک سے مر رہے ہیں، ان کے پناہ گزین کیمپوں پر بمباری ہو رہی ہے، ایسے میں کھوکھلے مذاکرات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ آج کوئی سیاسی مکالمہ کی گنجائش موجود ہے تو وہ یہی ہے کہ اس منظم دہشت گردی کا خاتمہ کس طرح ممکن ہے۔

ان متنازعہ خیالات اور بیانات کے ساتھ اسرائیل میں ہونے والی امن کانفرنس کا خاتمہ ہوا۔ یہ سب عوام فلسطینی زندگی کو مسترد کرنے جمع ہوئے تھے، اس لیے ان بیانات کے سوا نفرت بھرا کوئی ڈرافٹ تک منظور نہ کر سکے۔

دامن خیال: الیاس بیگ

غزہ: ہم تجھے بھولے نہیں، پر تیرے کام بھی نہ آ سکے

غزہ: خوراک فاؤنڈیشن کی آڑ میں امریکی و اسرائیلی منصوبہ

دنیا بھر سے اٹھنے والی آوازوں کو خاموش کرانے کے لیے اسرائیل کی قابض فوج نے غزہ کے لیے متنازعہ خوراک پلان تیار کر لیا ہے۔ اس کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ جہاں سے جس قدر غذائی امداد غزہ کے لیے آئے، اسے قبضہ میں لیا جائے، اپنے ہی ٹھیکے داروں، جن کو انگریزی میں کنٹریکٹرز کہا جاتا ہے، کے ذریعے غزہ میں مراکز بنائے جائیں جہاں سے فی فلسطینی 1750 کلو کیلوریز خوراک مل سکے گی۔

یہ بات یاد رہے کہ ہر فرد کو حیاتیات، کاربوہائیڈریٹس اور چکنائی والی اشیاء سمیت روزانہ جس قدر کیلوریز درکار ہوتی ہیں، ان کی ایک سادہ سی تفصیل یوں دیکھی جا سکتی ہے:

حیاتیات یا پروٹین:	(گوشت، چکن، مچھلی، انڈے، پھلیاں یا دوسری سبزیاں)
کاربوہائیڈریٹس فی خوراک:	(دالیں، پھل، سبزیاں)
چکنائی والی اشیاء:	(زیتون کا تیل، اخروٹ، بادام وغیرہ)
پانی:	(جسم کی ضرورت کے مطابق)

وٹامنز وغیرہ: ان کی ترتیب یوں ہو سکتی ہے۔

ناشتہ:	دالیں، چنے، دہی، دودھ، بیکری اشیاء
	پنیر، مکھن، ٹوسٹ، انڈے، پھل، اخروٹ، سنیکس
دوپہر کا کھانا:	ٹماٹر، سلاد، چکن، سبزیاں، سوپ، ڈبل روٹی، پاستا
رات کا کھانا:	چکن، گوشت، آلو، سبزیاں، مچھلی، چاول، سبز پھلیاں وغیرہ

(ناشتہ، دوپہر اور رات کے کھانے مجوزہ ہیں)۔

	1200 کیلوریز پلان	1500 کیلوریز پلان	2000 کیلوریز پلان
ناشتہ	345 کیلوریز پلان	350 کیلوریز پلان	650 کیلوریز پلان
دوپہر کا کھانا	450 کیلوریز پلان	550 کیلوریز پلان	685 کیلوریز پلان
رات کا کھانا	405 کیلوریز پلان	600 کیلوریز پلان	665 کیلوریز پلان

یہ بالکل سرسری سا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ صرف کاربوہائیڈریٹس کی شکل میں ایک انسان کو 2000 کیلوریز توانائی درکار ہوتی ہے۔ اسرائیل کے مجوزہ متنازعہ پلان کے تحت ہر فلسطینی کو 1750 کیلوریز دی جائیں گی۔ گویا اونٹ کے منہ میں زیرہ والی مثال یہاں دینے کو بنی ہے۔ یہ خوراک اتنی ہی ہوگی جس سے صرف

ایک ڈالر یا اس سے کچھ زیادہ لاگت آئے گی۔ اس سے بھی آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ خوراک بھوک کو مزید چمکانے کا کام کرے گی۔

اسرائیل کی قابض فوج نے اس خوراک کی تفصیلات جس دستاویز کی شکل میں تیار کی ہیں، وہ چودہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اسے غزہ انسانی فاؤنڈیشن حکمت عملی یا (Gaza Humanitarian) فاؤنڈیشن سٹریٹجی کا نام دیا گیا ہے۔ یہ نام نہاد خوراک بھی ایک این جی او کے ٹھیکے دار تقسیم کریں گے جو ممکنہ طور پر قابض فوج، شین بیت اور دیگر خفیہ اداروں کے اہلکار ہوں گے۔

اگر 1990ء کی دہائی کے بدنام زمانہ ٹھیکے داروں کو ذہن میں لایا جائے تو بلیک واٹر نامی تنظیم کا نام سامنے آتا ہے۔ یہ لوگ سی آئی اے کے باقاعدہ تنخواہ دار ملازم نہیں ہوتے تھے۔ انہوں نے تخریب کا ہر کام کیا۔ تعمیر کچھ بھی نہیں کیا۔ انہی کے ایک ایجنٹ بنام ریمنڈ ڈیوس نے دو پاکستانی لڑکوں فیضان اور فہیم کو قرطبہ چوک لاہور کے قریب گولی مار کر قتل کیا تھا۔ یہ دونوں لڑکے ڈیوس کے ارادے بھانپ گئے تھے۔ غزہ میں خوراک کی تقسیم کا نظام ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا۔

جس تنظیم کا ذکر اوپر ہوا ہے، جسے مختصراً جی ایچ ایف (GHF) کہا جارہا ہے، یہ فروری 2025ء میں رجسٹر ہوئی تھی۔ اسے سوئٹزرلینڈ میں رجسٹر کروایا گیا تھا۔ اس سے یہ نظر آرہا ہے کہ اسے ان حالات میں یا کسی بھی طرح کے انسانی امداد (Humanitarian Aid) کے کاموں میں کوئی تجربہ حاصل نہیں ہے۔ غزہ جیسے حالات صومالیہ، سوڈان، برما (اراکان) میں بھی پیدا نہیں ہوئے۔

یہ تنظیم غزہ میں یا غزہ کے لیے آنے والی ہر امداد کی مالک قرار پائے گی۔ اسے قابض اسرائیلی فوج کی نگرانی اور مدد حاصل ہوگی۔ یہ تنظیم "اپنی" مدد کے لیے مزید تنظیموں کو بلائے گی۔ آنے والی تنظیمیں امداد کے ہر نوعیت کے حصے میں حصہ دار ہوں گی۔ اس بات کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر ٹی تھیان ریکوڈک سے سونا، تانبا اور دیگر معدنیات نکالے گی تو وہ اس کے 50 فیصد اثاثوں کی مالک ہوگی۔

اسرائیلی قابض فوج کی دستاویز میں یہ نہیں بتایا گیا یا ظاہر نہیں کیا گیا کہ ان تنظیموں کا حصہ کیا ہوگا؟ اگر مرکزی تنظیم امداد کا 50 فیصد لے جائے گی تو 25 فیصد امداد ہی غزہ کے حصہ میں آئے گی۔ اس حصے کو لاجسٹکس، سیکیورٹی اور شفافیت کا نام دیا گیا ہے۔

دستاویز میں یہ ضرور ذکر کیا گیا ہے کہ فاؤنڈیشن کی نگرانی، راہ نمائی اور دیگر امور کی مانیٹرنگ امریکی کریں گے۔ یہ واضح نہیں ہے کہ یہ امریکی حکومت کے حکام ہوں گے، ری پبلکن پارٹی کے لوگ ہوں گے یا براہ راست سی آئی اے ہوگی۔ تاہم ان تفصیلات کے سامنے آنے سے صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے اس بیان کی اصلیت اور حقیقت ضرور سامنے آگئی ہے کہ ہم غزہ والوں کو بھوکا مرنے نہیں دیں گے۔ واشنگٹن پوسٹ کی نومئی کو جاری شدہ ایک رپورٹ جو کیرنگ ڈی ینگ خاتون صحافی نے تیار کی ہے، اس میں اس 14 صفحات کی رپورٹ کی تیاری کے بارے میں بالکل الگ کہانی بیان کی گئی ہے۔ اس کے مطابق یہی رپورٹ اسرائیل کی قابض فوج کو دی گئی ہے، اسرائیل کا اس کی تیاری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ رپورٹ صدر ٹرمپ کے حکم پر غزہ میں خوراک کا معاملہ امریکہ نے اپنے ہاتھ میں یا کنٹرول میں لینے کے لیے بنائی ہے۔ اس رپورٹ کے بارے میں مقبوضہ بیت المقدس میں ایک پریس کانفرنس امریکہ کے اسرائیل میں سفیر مائیک حقابے (یا حکابے) نے کی۔ سفیر نے کہا کہ یہ رپورٹ ٹرمپ کے مجوزہ غزہ منصوبے کا حصہ ہے۔ انہوں نے اس منصوبے کی مکمل تفصیلات دینے سے انکار کردیا۔ انہوں نے یہ بتانے سے بھی انکار کردیا کہ اس میں کون سے ملک اور تنظیمیں کردار ادا کریں گی۔

اس امریکی منصوبے کے لیے فنڈز مشرق وسطیٰ کے چند ممالک دیں گے۔ ان ممالک نے غزہ پر پہلا بم گرنے کے وقت سے بھی پہلے امریکہ اور اسرائیل کا ساتھ دیا تھا۔ ان میں سے ہی ایک ملک میں حماس اور اسرائیل کے مذاکرات ہوتے رہے۔ اب ٹرمپ ان ممالک کے دورے پر نکل رہے ہیں یا نکل چکے ہوں گے۔ فنڈز بھی عالم اسلام دے گا اور ان پر کنٹرول بھی امریکہ اور اسرائیل کا ہوگا۔ گویا ان کے دیے فنڈز دوبارہ بھوک کی نئے سرے سے تقسیم کریں گے۔ اس منصوبے کے مطابق پہلے 60 فیصد اہل غزہ کو 1750 کلو کیلوریز کے حساب سے فی کس کھانا ملے گا۔ گویا ہر دس میں سے 6 کو یعنی 10 لاکھ میں سے 6 لاکھ اور 20 لاکھ میں سے 12 لاکھ کو دو سلائس روزانہ کے برابر خوراک ملے گی۔ یہ غزہ میں چار مراکز پر تقسیم ہوگی۔ گویا ہر مرکز پر 3 لاکھ فلسطینی جمع ہوں گے۔ کس کو کس طرح کیا ملے گا، یہ کوئی بہت بڑا معمہ نہیں ہے۔ البتہ خوراک حاصل کرنا معمہ ضرور ہوگا۔

ٹرمپ نے اس پروگرام کے لیے ڈیوڈ بیزلے (David Beasley) کو اپنا نمائندہ مقرر کیا ہے۔ یہ صاحب ورلڈ فوڈ پروگرام کے سابق ڈائریکٹر اور جنوبی کیرولینا کے گورنر رہ چکے ہیں۔ انہوں نے مجوزہ پروگرام میں بعض تبدیلیوں کا مطالبہ کیا ہے۔ اس بارے میں ایک متعلقہ عرب ملک اور اس نمائندے نے کسی قسم کی تفصیلات بیان کرنے سے انکار کردیا ہے۔

اس پروگرام کو اقوام متحدہ، بعض اہم غیر سرکاری تنظیموں نے خطرناک قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر فلسطینی کو خوراک نہیں دی جائے گی۔ تقسیم کے مراکز اسرائیلی فوج کے زیر قبضہ علاقوں میں ہوں گے جہاں ہر فلسطینی نہیں جاسکے گا، خوراک انتہائی کم ہوگی، یہ تقسیم بین الاقوامی اصولوں اور قوانین کی پامالی کو راستہ دے گی۔

اس خوراک پلان کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ اسرائیل غزہ کی ناکہ بندی مزید سخت کردے گا۔ امداد کا کوئی ٹرک بھی داخل ہونے نہیں دیا جائے گا۔ اسرائیل نے یہ کام 2 مارچ سے ہی شروع کر رکھا ہے۔ اس وقت اڑھائی ماہ سے زیادہ وقت ہوا ہے کہ خوراک کا ایک ذرہ بھی غزہ میں داخل ہونے نہیں دیا جارہا ہے۔ جنوری سے اس ناکہ بندی کا آغاز ہوا تھا۔ مارچ سے یہ عمل تکلیف کی آخری حدوں کو پہنچا دیا گیا۔ اب ہر ذخیرۂ خوراک، توانائی کا سلسلہ اور پانی کی بوند سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ مہذب دنیا امریکہ کی قیادت میں 20 لاکھ انسانوں کو ان کے فلسطینی ہونے کی دردناک سزا دے رہی ہے۔

غزہ میں اس صورت حال کا تمسخر اڑاتے ہوئے صدر امریکہ نے خوراک پروگرام کا اعلان کرتے ہوئے کہا تھا کہ غزہ میں لوگ بھوک سے مر رہے ہیں اور ہم ان کی مدد کریں گے کہ انہیں خوراک دی جائے۔ انہوں نے حماس پر جنگ جاری رکھنے کا الزام بھی لگا دیا جو مسلسل کہہ رہی ہے کہ وہ سیز فائر کے لیے تیار ہے، وہ سب یرغمالی رہا کرنے کے لیے بھی تیار ہے، وہ غزہ کا نظام چھوڑنے کے لیے بھی تیار ہے، وہ ان مقاصد کے لیے غیر مشروط مذاکرات کے لیے بھی تیار ہے۔ لیکن حماس کی طرف سے کسی بات کا اب تک مثبت جواب اسرائیل کی طرف سے نہیں دیا جارہا۔

کچھ ذرائع کا کہنا ہے کہ امریکی سفیر حکابے کا بیان اس اعتبار سے درست نہیں ہے کہ یہ امریکی منصوبہ ہے۔ یہ منصوبہ اس سال فروری میں قابض فوج کے جرنیلوں نے

تیار کیا تھا۔ پھر اسے بنجمن نیتن یاہو کی جنگی کابینہ میں پیش کیا گیا۔ وہاں سے امریکہ نے اسرائیل کو روک دیا کہ اسے اپنے منصوبے کے طور پر پیش نہ کرے۔ اسے صدر ٹرمپ کے غزہ سے ہمدردی بھرے الفاظ کے بعد سامنے لایا گیا۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ اس سے متعلقہ عرب ممالک نے اسے کیوں سینے سے لگائے رکھا ہے۔ غالباً ٹرمپ کو اربوں ڈالر دینے کے وقت بھی اتنی جرأت ضروری ہے کہ وہ اسے خود پیش کرسکیں۔ افسوس کہ وہ بھی نہیں ہے۔

جن بین الاقوامی تنظیموں نے اس پروگرام کو خطرناک قرار دیا ہے یا پھر اس پر تحفظات ظاہر کیے ہیں، ان میں ایمنسٹی سوئٹزرلینڈ بھی شامل ہے۔ اس تنظیم نے دستیاب معلومات کی بنیاد پر اس پروگرام میں رسک فیکٹر کو بیان کیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اسرائیل کا قبضہ اب بھی موجود ہے۔ وہ اس متنازعہ خوراک پلان پر کام بھی کر رہی ہے۔ اس خوراک کی تقسیم کے چار مراکز کی سیاروں سے حاصل شدہ نقشوں کے مطابق نشاندہی کی جا چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل امریکہ کی مدد سے ہی ممکن ہوا ہے۔

جس فاؤنڈیشن کا ذکر ہورہا ہے، اس نے کہا ہے کہ وہ نیا آپریشن ماڈل متعارف کرا رہی ہے۔ وہ ابھی سے الزامات لگا رہی ہے کہ امداد کی تقسیم میں پیدا کی جارہی ہے، وہ کہہ رہی ہے کہ امداد پر حملے ہورہے ہیں جب کہ امداد غزہ کے اندر جانے ہی نہیں دی جارہی ہے، ایک اور الزام یہ لگایا جارہا ہے کہ عام فلسطینی کو امداد تک رسائی روکی جارہی ہے۔ یہ الزام بھی زمینی حقائق کے منافی ہے۔ ابھی تک مراکز فعال نہیں ہیں، عام فلسطینی کو علم ہی نہیں ہے کہ خوراک کہاں سے ملے گی۔ ابھی تک تو کیا بچہ، کیا جوان اور کیا بوڑھا، مرد ہو یا عورت، برتن اٹھائے امداد تلاش کرتے نظر آرہے ہیں۔

فاؤنڈیشن نے کہیں بھی اس ناکہ بندی کا ذکر نہیں کیا جو پہلے سے ہی اسرائیل نے غزہ کی کررکھی ہے۔ اس ناکہ بندی کو ان سطور کی اشاعت تک تین ماہ ہوجائیں گے۔ اسرائیل نے آبادی کو ابھی سے مختلف زونز بنا کر تقسیم کردیا ہے۔

اس کے بجائے فاؤنڈیشن ابھی سے کہہ رہی ہے کہ حماس اور دوسری تنظیمیں مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ وہ امداد پر ٹیکس لگا رہی ہیں، اسے فروخت در فروخت کررہی ہیں۔ دوسرا الزام یہ لگا رہی ہیں کہ اسرائیل کے خلاف سیاسی دباؤ کام کررہے ہیں۔ غزہ پر ہماری رسائی روک رہے ہیں اور ہماری تنظیموں کے کام میں خطرے کے عمل کو بڑھا رہی ہیں۔

فاؤنڈیشن کے مطابق خوراک پیکٹوں میں فراہم کی جائے گی۔ خوراک کو صحت عامہ کے اصولوں کے مطابق تیار اور پیک کیا جائے گا۔ مقررہ مراکز پر آرمرڈ گاڑیوں کے ذریعے خوراک تقسیم کی جائے گی۔ خوراک لینے والا قابض فوج کے سخت سیکیورٹی حصار میں آئے گا۔ راستہ کے دونوں اطراف فوج مقرر ہوگی۔ اس عمل کی ہمہ وقت نگرانی ہوگی۔ سادہ الفاظ میں ایک نیا فوجی سیٹ اپ کنسنٹریشن کیمپ اور قیدیوں کی بیرک کی طرز پر کام کرے گا۔ ہر خوراک کی لاگت 1.3 ڈالر ہوگی۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ ایک دن میں کتنی خوراک ملے گی یا ہر خوراک کے لیے دو یا تین بار آنا پڑے گا اور اس سیکیورٹی حصار سے گزرنا ہوگا۔ ہر مرکز پر تین لاکھ لوگ دو بار بھی آئیں تو 6 لاکھ ہوجائیں گے۔ ایک بار یہ عمل کتنی دیر میں مکمل ہوگا یا جب تجربہ ہوگا تو کتنے لوگ دوبارہ آسکیں گے یا اگلے دن آنے کی جرأت کریں گے۔

یہ بات بھی کہی جارہی ہے کہ امداد دینے والوں سے کہا جائے گا کہ وہ ایک وقت میں خاندان پیکج تیار کریں جس میں 50 خوراکیں ہوں گی۔ ایسا ہوا تو کم از کم 60 ہزار افراد ایک وقت میں آئیں گے۔ ان کی پہلی بار رجسٹریشن ہوگی، پھر ہر بار رجسٹر کھلیں گے اور آنے والے کی تصدیق ہوگی۔

یہ دعویٰ کیا جارہا ہے کہ مرکز کے قریب یا مرکز پر اسرائیلی فوج تعینات نہیں ہوگی۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ قابض فوج کے کاریڈور سے گزر کر آنا ہوگا۔ یہ کہا جارہا ہے کہ خوراک دیتے ہوئے شناخت مقام یا مذہب نہیں پوچھا جائے گا۔ جب پہلی مرتبہ رجسٹریشن ہوگی تو یہ اور دوسری معلومات پہلے ہی لے لی جائیں گی۔ پھر تو تصدیق ہوا کرے گی۔ ایک بات اور کہی جارہی ہے جو اصل عزائم بے نقاب کررہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ خوراک کی تقسیم میں مقامی کمیونٹیز کو شامل کیا جائے گا۔ گویا ہر جگہ نئے چودھری کھڑے کیے جائیں گے۔

اس فاؤنڈیشن کے حکام میں نیٹ موک (Nate Mook) شامل ہیں جو ورلڈ سنٹرل کچن کے سابق چیف ایگزیکٹو ہیں اور اس وقت وہ یوکرائن کے لیے صدر ٹرمپ کے مشیر ہیں، اس کے علاوہ ہاورڈ جی بوفے فاؤنڈیشن کے بھی مشیر ہیں، ان کے ساتھ لویک ہنڈرسن ہیں، جو 20 سال سے قانونی امور چلا رہے ہیں ان کی کمپنی Fortne 500 میں شامل ہے، رئیسہ شیسن برگ اس وقت ماسٹر کارڈ ہیں گورنمنٹ افیئرز کی وائس پریذیڈنٹ ہیں۔ انہوں نے فیس بک کی لبرا کرپٹو کرنسی کی قیادت کی ہے، یہ نیشنل سیکیورٹی میں ٹرمپ کے ساتھ کام کررہی ہیں، امریکی حکومت کی معاشی پالیسی میں بھی کام کررہی ہیں۔ کرنٹ کیپیٹل پارٹنرز ایل ایل سی کے بانی اور مینیجنگ ڈائریکٹر جوناتھن فاسٹر بھی غزہ فاؤنڈیشن میں موجود ہیں۔ یہ سب امریکی ہیں اور اس وقت امریکی حکومت کا حصہ اور یہودی ہیں یا یہودی پس منظر رکھتے ہیں۔ اسرائیل کے اعتماد کے حامل ہیں۔

فاؤنڈیشن کو تین افراد چلائیں گے۔ ان کو آفات سے بچاؤ کا تجربہ ایگزیکٹو ڈائریکٹر جیک ووڈ کی صورت میں حاصل ہوگا۔ یہ ٹیم روبیکان کے سابق چیف ایگزیکٹو ہیں۔ یہ امریکہ کی ڈیزاسٹر ریلیف آرگنائزیشن ہے۔ یہ سابق میرین ہیں۔ فاؤنڈیشن کے چیف آپریٹنگ آفیسر ڈیوڈ برک ہیں۔ یہ سٹریٹجک آپریشنز ایکسپرٹ کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ یہ بھی سابقہ میرین ہیں۔ ہیڈ آف مشن کے طور پر یو ایس ایڈ کے جان ایکرے کام کریں گے۔

اس ٹیم کو مزید اسی طرح کے ماہر ترین افراد چلائیں گے۔ ایک مشاورت بورڈ کام کرے گا جن میں بل ملر، سابق یو این اور یو ایس ڈیپارٹمنٹ آف سٹیٹ کے اعلیٰ آفیسر، ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل مارک سوارٹز سیکیورٹی آفیسر برائے اسرائیل اور دیگر لوگ شامل ہوں گے۔ امداد دینے والے ممالک سے کہا گیا ہے کہ وہ بھی اس بورڈ کے لیے ارکان نامزد کرسکتے ہیں۔ ان کی حیثیت مشورہ دینے اور فنڈ لانے والے کی ہوگی۔ اس وقت بحث جاری ہے کہ بعض فلسطینی شخصیات کو بھی رکن رکھا جائے یا نہ رکھا جائے۔

ایک سوال یہ بھی ہے کہ فاؤنڈیشن کے کاموں کو کس طرح ''شفاف'' رکھا جائے۔ اس کا بینک امریکہ کا Truist Bank ہے۔ اسے جے پی مورگن سے منسلک کیا گیا ہے۔ اس بینک کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس نے شمالی کیرولینا میں سمندری طوفان کے بعد 725 ملین ڈالر کے واجبات وصول کیے تھے۔ ایک اکاؤنٹ Goldman Sachs میں کھولا گیا ہے۔ گویا جس قدر امداد نقد یا بنک چینلز سے آئے گی، امریکہ سے ہوکر آئے گی۔ ویسے ایک ڈالر بھی غزہ میں داخل نہ ہوسکے گا۔

اس کے آڈٹ کا کام امریکی ادارے Delo کو دیا جارہا ہے۔ یہ بھی آڈٹ امریکہ میں رہ کر ہی کرے گا۔

آخر میں اس رپورٹ کی تیاری میں مدد دینے والی بنیادی تجزیہ کار اور پورٹر دانیہ کا پیغام

''غزہ ہم تجھے بھولے نہیں لیکن تیرے کام نہ آسکے''

اسرائیلی ساختہ ڈرون ہیروپ جو ہزار کلومیٹر تک مار کر سکتا ہے

صورت حال: لمیس تغرید

انڈیا کی جانب سے جمعرات کو پاکستان کے طول و عرض میں ہیروپ نامی ڈرون حملے کیے گئے جن میں اسرائیلی ساختہ ڈرون استعمال ہوئے۔

پاکستانی فوج کے شعبہ تعلقات عامہ (آئی ایس پی آر) کے سربراہ لیفٹیننٹ جنرل احمد شریف نے جمعرات کو ایک ویڈیو پیغام میں کہا کہ آٹھ مئی کو انڈیا کی جانب سے اب تک پاکستان کے مختلف شہروں میں ڈرون حملے کیے گئے، جن میں ہیروپ ڈرون استعمال کیے گئے۔

انھوں نے بتایا کہ پاکستانی فوج نے اب تک 12 ہیروپ ڈرونز کو مار گرایا ہے۔ بعد میں یہ تعداد 75 تک جا پہنچی۔ ہیروپ (Harop) ڈرون اسرائیل کی کمپنی اسرائیل ایئروسپیس انڈسٹریز کا تیار کردہ ہے۔

اس کے بعد سے آئی ایس پی آر نے بھی ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ اب تک ’افواج پاکستان کی سافٹ کِل (تکنیکی) اور ہارڈ کِل (ہتھیاروں) سے اب تک 25 اسرائیلی ساختہ کے ہیروپ ڈرونز کو مار گرایا گیا ہے۔‘

بیان کے مطابق ’بھارت بوکھلاہٹ میں یہ اسرائیلی ساختہ ہیروپ ڈرونز سے پاکستان پر حملہ کر رہا ہے۔۔۔ پاکستان کے مختلف علاقوں سے اسرائیلی ساختہ ہیروپ ڈرونز کا ملبہ اٹھایا جا رہا ہے۔‘

بیان میں کہا گیا کہ ’افواج پاکستان دشمن کو منہ توڑ جواب دے رہی ہیں اور اس کے تمام عزائم کو خاک میں ملا رہی ہیں۔‘

ڈی جی آئی ایس پی آر نے ٹیلی ویژن پر بتایا کہ جن مقامات کو نشانہ بنایا گیا، ان میں لاہور، گوجرانوالہ، چکوال، راولپنڈی، اٹک، بہاولپور، میانو، چھور اور کراچی کے قریب ایک مقام شامل ہیں۔ انہوں نے سکرین پر ان میں سے کچھ ڈرونز کا ملبہ بھی دکھایا۔ ایک تباہ شدہ ڈرون کے ملبے پر یو اے وی دیکھا جا سکتا ہے، جب کہ ایک اور ڈرون کے پرزوں پر واضح طور پر اسرائیل لکھا ہوا نظر آ رہا ہے۔

لیفٹیننٹ جنرل احمد شریف نے کہا کہ ان 12 ڈرونز کے علاوہ ایک ڈرون نے لاہور کے قریب ایک فوجی مرکز کو جزوی نقصان پہنچایا۔ اس حملے میں چار فوجی اہلکار زخمی ہوئے، جب کہ چند آلات کو بھی جزوی نقصان پہنچا۔

میانو سندھ کے مقام پر ایک اور ڈرون حملے میں ایک شخص جان سے گیا جب کہ ایک زخمی ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ

انڈیا کی جانب سے ہیروپ ڈرون بھیجنے کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔

ہیروپ ڈرون کی تکنیکی صلاحیت:

ایئرفورس ٹیکنالوجیز نامی ویب سائٹ کے مطابق ہیروپ اسرائیلی ساختہ ڈرون ہے۔ یہ ایک خودکش قسم کا ڈرون ہے جو بم نہیں پھینکتا بلکہ خود جا کر ہدف سے ٹکراتا ہے۔

اسے اسرائیل کی کمپنی اسرائیلی ایروسپیس انڈسٹریز نے تیار کیا ہے اور اس کی رینج ایک ہزار کلومیٹر اور فلائیٹ ٹائم چھ گھنٹے تک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ڈرون پاکستان کے کسی بھی علاقے کو نشانہ بنا سکتا ہے۔

نے آرمینیا کے خلاف اپریل 2020 میں استعمال کیے اور آذری صدر کے مشیر نے جنگ کے دوران اس ڈرون کی کارکردگی کو سراہا تھا۔

اس کے علاوہ اسرائیل نے اسے مئی 2018 میں شام کے خلاف بھی استعمال کیا۔ اسرائیل نے اسے دسمبر 2024 میں بھی شام کے اہداف پر حملوں کے لیے استعمال کیا۔

ڈیزائن اور آپریشنل خصوصیات:

ہیروپ خاص طور پر دشمن کے فضائی دفاعی نظام کو دبانے کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہے۔

یہ سسٹم میونیشن یونٹس، قابلِ نقل لانچرز اور مشن کنٹرول

اہداف کو تلاش اور تباہ کر سکتا ہے۔ یہ خاص طور پر دشمن کے میزائل ریڈار اور کمیونیکیشن سسٹمز کے سگنل پکڑ کر ان پر خود کو گرا دیتا ہے۔

اس ڈرون کے اہداف میں تیز رفتار میزائل، ریڈار اور زمین و سمندر پر اہم اہداف شامل ہیں۔

مشن سسٹمز:

ہیروپ خودکار ہارپی میزائل سسٹم سے مختلف ہے، اسے پرواز کے دوران ریموٹ کنٹرول سے چلایا جا سکتا ہے۔

یہ دن اور رات دونوں میں کام کر سکتا ہے۔

اس میں فارورڈ لکنگ انفراریڈ (FLIR) اور رنگین

ہیروپ ڈورن اسرائیلی ایروسپیس انڈسٹریز کا بنایا ہوا ایک اور ڈرون ہے۔ اس لڑاکا ڈرون کو پہلی بار فروری 2009 میں انڈیا میں ایرو انڈیا شو کے دوران پیش کیا گیا۔

ہیروپ کون کون استعمال کر رہا ہے؟

آن لائن دستیاب معلومات کے مطابق اسرائیل کے علاوہ ترکی، آذربائیجان، نیدرلینڈز اور مراکش یہ ڈرون استعمال کر رہے ہیں۔ ستمبر 2009 میں انڈین فضائیہ نے 10 کروڑ کے معاہدے کے تحت اسرائیل سے 10 ہیروپ ڈرونز خریدے تھے۔

’ڈیلی ٹیلی گراف‘ کے مطابق ہیروپ ڈرون آذربائیجان

شیلٹر پر مشتمل ہے، جس کے ذریعے انسانی کنٹرول میں براہِ راست آپریٹ کیا جا سکتا ہے۔

دیگر ڈرونز کی طرح، ہیروپ میں الگ دھماکہ خیز مواد نہیں ہوتا بلکہ یہ خود ہی میونیشن ہے۔ آپریٹر ہدف کی منظوری دے سکتا ہے یا حملہ روک بھی سکتا ہے۔

یہ میزائل سمندر، زمین یا فضائی پلیٹ فارمز سے لانچ کیے جا سکتے ہیں اور افقی یا عمودی کسی بھی زاویے سے داغے جا سکتے ہیں۔ اس کا سیل بند کنٹینر مشکل میدانِ جنگ کے حالات کا سامنا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ہیروپ کے اندر 23 کلوگرام وزنی دھماکہ خیز مواد موجود ہوتا ہے۔ یہ خودکار طور پر دشمن کے متحرک اور ساکن

CCD کیمرا نصب ہے، جو 360 درجے کا منظر پیش کرتا ہے۔ اس کی فیڈ سیٹلائٹ ڈیٹا لنک کے ذریعے آپریٹر تک پہنچتی ہے۔

کارکردگی:

ہیروپ لانچ کے بعد جنگی علاقے میں گھومتا ہے۔ ریڈار یا کمیونیکیشن سگنلز سامنے آنے پر وہ فوری طور پر ہدف کو نشانہ بناتا ہے۔

یہ دو گائیڈنس موڈز میں کام کرتا ہے:

اینٹی ریڈار ہومنگ بی ریڈیو سگنل والے متحرک اہداف پر حملہ۔ الیکٹرو آپٹیکل سنسر بی بند ریڈار یا میزائل لانچ سائٹس جیسے اہداف کا پتہ لگانا۔

امید بہار: اقراء فہد

برسٹل بائیکاٹ مہم کا پیغام

فلسطین بچانا ہے، نسل پرست اسرائیل کا بائیکاٹ کرنا ہے

غزہ، مغربی کنارے اور مقبوضہ مشرقی بیت المقدس میں اسرائیل کے صہیونی وزیر اعظم بنجمن نیتن یاہو کے انسان کش اقدامات نے دنیا کی بے عملی کے باوجود بہت سے امکانات پیدا اور روشن کر دیے ہیں۔ امریکہ میں صدارتی مہمات کے دوران میں خصوصاً وہاں کی جامعات اور دیگر درس گاہوں میں ہونے والا احتجاج شاید دم توڑ دیتا لیکن کچھ عوامل نے اسے زندہ بھی رکھا ہوا ہے اور آگے بھی بڑھایا ہے۔ ٹرمپ نے اقتدار میں آکر کچھ فیصلے ایسے کیے ہیں جن کی وجہ سے امریکی پالیسیاں اور مفادات اب زیادہ تر مشروط ہو گئے ہیں۔ اہل مغرب کو یہ پیغام ضرور گیا ہے کہ اب اسے ہر مغربی ملک میں پالیسی سازی اور ان پر عمل درآمد کے لیے امریکہ کی طرف دیکھنا بند کرنا ہوگا۔

ٹرمپ نے دو کام ایسے کر دیے ہیں جن سے امریکہ کے کردار اور اثر و رسوخ میں تبدیلیوں کا آغاز ہونے جا رہا ہے۔ جرم سمجھا جاتا تھا۔ وہاں نہ صرف عوامی حلقے اس پر اپنے خیالات اور تحفظات کا اظہار کر رہے ہیں بل کہ احتجاج بھی کرنے لگے ہیں۔

ٹرمپ نے امریکی نظام تعلیم پر کاری ضرب لگائی ہے۔ ایک کام تو یہ ہوا ہے کہ اسرائیل کے خلاف احتجاج کو بنیاد بنا کر یونیورسٹیوں کے بجٹ میں بہت کمی کر دی ہے۔ مثال کے طور پر ہاورڈ یونیورسٹی کے بجٹ میں اربوں ڈالر کمی کر دی ہے۔ یونیورسٹی کی حکومتی امداد میں 2 ارب 20 کروڑ ڈالر کی کٹوتی پہلے کی گئی تھی۔ اب پھر 45 کروڑ ڈالر کٹوتی کر دی گئی ہے۔ یہ کٹوتی آٹھ فیڈرل ایجنسیاں کر رہی ہیں۔

ٹرمپ انتظامیہ نے یہود مخالف (Antisemitism) جانے والوں کے خلاف ٹاسک فورس بنائی ہے جس کے ذریعے یا سفارشات پر ان اداروں کے خلاف اقدامات کیے جا رہے ہیں، جن کے بارے میں امریکی انتظامیہ کی رپورٹ ہے کہ وہ یہود مخالف رجحانات یا اقدامات کرتے ہیں۔ ان میں غزہ کے اندر اسرائیل کے خلاف احتجاج، مظاہرے یا سیمینارز کرنے والوں کو سزا دینے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ہاورڈ یونیورسٹی نے تو یہاں تک معاملہ صاف کرنے کی کوشش کی کہ اس کی انتظامیہ نے کیمپس میں مسلم مخالف یا یہود مخالف فضا بنانے والوں کے بارے میں سروے کیا۔ لیکن ٹرمپ حکومت کی ٹاسک فورس کو قائل نہ کر سکے کہ کیمپس میں یہودیوں کے بارے میں امتیازی سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔

اس کے خلاف احتجاج نے باقاعدہ قانونی جنگ کی شکل اختیار کر لی ہے۔ امریکہ کی 13 ٹاپ یونیورسٹیاں ٹرمپ حکومت کی جانب سے گرانٹس میں کٹوتیوں کے خلاف فیڈرل کورٹ میں چلی گئی ہیں جہاں انہوں نے مشترکہ کیس درج کرا دیا ہے۔ ان میں میساچوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی اور پرنسٹن یونیورسٹی بھی شامل ہے۔ ان کے ساتھ ایسوسی ایشن آف امریکن یونیورسٹیز بھی ہیں۔

امریکہ میں اسرائیل کے خلاف پہلی مرتبہ ردعمل پیدا ہو رہا ہے۔ ایک کام یہ بھی ٹرمپ انتظامیہ نے کیا کہ امریکی تعلیم کے دروازے غیر ملکی طلبہ و طالبات کے لیے بند کرنے کا اعلان کیا ہے۔ اس سے ان طلبہ و طالبات کو زیادہ خطرات کا سامنا ہے جو اپنی تعلیم نصف یا اس سے زیادہ مکمل کر چکے تھے یا مکمل تعلیم کے بعد مستقبل کی کسی منصوبہ بندی کرنے کے حالات میں تھے۔

ان سب یونیورسٹیوں، طلبہ و طالبات اور اساتذہ کرام کو یہ علم ہے کہ امریکی داخلی بجٹ کی مجبوریوں کے ساتھ اسرائیل بھی بڑی حد تک ان کے بحران کا ذمہ دار ہے۔ وہ جس ملک سے بھی ہیں، وہاں اسرائیل کے بارے میں منفی رائے تشکیل پا رہی ہے۔

اس صورت حال کا امریکہ یا اسرائیل کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ اس نے اسرائیل پر پابندیاں لگوانے، وہاں سرمایہ کاری کرنے اور اس کی مصنوعات یا اسرائیل کی حمایت کرنے والوں کی مصنوعات کے بائیکاٹ کی مہم کو تحریک کی شکل دے دی ہے۔ غزہ کے واقعات سے قبل اس مہم کے چلانے والوں کو بعض ملکوں میں مزاحمت کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔ اب یہ مزاحمت کمزور پڑ رہی ہے۔

اس کی ایک مثال برسٹل انگلینڈ کا ایک شہر ہے۔ برطانیہ کی سٹارمر کیئر حکومت نے غزہ میں اسرائیل کو مکمل سپورٹ فراہم کی ہے۔ برسٹل کے ایسٹن اور سینٹ پال کے علاقوں میں اسرائیلی مصنوعات کے بائیکاٹ کی مہم چلائی گئی ہے۔ اس مہم میں رضا کاروں میں کوئی مسلمان نہیں تھا اور نہ ہی حماس کا حامی تھا۔ اس مہم میں سو سے زیادہ رضا کاروں نے کام کیا۔ وہ ان علاقوں کے ہر گھر اور دفتر گئے۔ فلسطین کے زندہ رہنے اور اسرائیل کی طرف سے فلسطینیوں کو مارنے کی پالیسی اور اقدامات بیان کیے۔ انہوں نے سب سے درخواست کی کہ فوری طور پر اسرائیل، آبادکار یہودیوں کے علاقوں میں تیار ہونے والی منصوعات خریدنا بند کر دیں۔ اس مہم میں شامل سٹیفن نامی رضا کار نے بتایا:

”جب آپ کسی دروازے پر دستک دیتے ہیں تو بیان کرتے ہیں کہ فلسطین، غزہ اور دوسرے حصے آج کس قدر بے یار و مددگار ہیں۔ اس کا آپ کو تب ہی اندازہ ہو سکے گا جب خدانخواستہ آپ یا آپ کے علاقے میں وہ کچھ ہو جو فلسطین میں ہو رہا ہے۔“

اسے برسٹل نسل پرستی سے پاک مہم کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے ایک رضا کار نے بتایا کہ تنہا اس کے گروپ نے اب تک 1800 گھروں سے ایک یادداشت پر دستخط

کرائے ہیں۔ ان گھروں کے مکینوں نے عہد دیا ہے کہ وہ کسی صورت میں اسرائیلی مصنوعات نہیں استعمال کریں گے اور نہ ہی خریدیں گے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارا عزم یہ ہے کہ ہم اس مہم کو اس قدر آگے لے جائیں گے کہ یہاں کے بڑے بڑے کاروبار اس کا حصہ بن جائیں۔

اب تک 50 سے زیادہ سٹورز اور بزنس اداروں نے تازہ مال منگواتے ہوئے اسرائیلی مصنوعات منگوانی بند کردیں۔ ان کے بائیکاٹ کے نتیجے میں برسٹل میں اسرائیلی مصنوعات کی فروخت میں 50 فیصد کمی نوٹ کی گئی ہے۔ مہم چلانے والوں کا کہنا ہے کہ ہر دروازے پر دستک نے یہ حوصلہ دیا ہے کہ جہاں بھی ہم جائیں گے، لوگ فلسطین اور فلسطینیوں کے حق میں نکلیں گے۔

سٹیفن کا کہنا ہے: ''جب ہم کسی بھی دروازے پر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم فلسطین کے لیے آئے ہیں، لوگ ہمارا گرم جوشی سے استقبال کرتے ہیں۔ اب یہ ایک اصول بن گیا ہے کہ ''فلسطین بچانا ہے تو اسرائیل کا بائیکاٹ کرنا ہے۔'' اب یہ بائیکاٹ سے زیادہ فلسطینی یکجہتی کی تحریک بنتی جارہی ہے۔''

اس مہم کو ڈیزائن کرنے والوں نے بتایا کہ انہوں نے جنوبی افریقہ میں نسل پرست انتظامیہ کے خلاف احتجاج کو اپنا ماڈل بنایا۔ اس طرح ہمیں کامیابی ملی۔ تب یہاں سینٹ پال نسل پرست فری زون بنایا گیا تھا۔ یہ مہم 1980ء کے عشرے میں چلائی گئی تھی۔ اس مہم کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ نسل پرست حکومت کو جنوبی افریقہ سے بھگانے کا کام اس صورت میں ہوسکے گا کہ وہاں کی ہر شے کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے۔ اس کی بدولت پورے برطانیہ میں جنوبی افریقی مصنوعات کے بائیکاٹ کی لہر بن گئی تھی۔

اب ہر دروازے پر ہمیں خوش آمدید کہا جارہا ہے اور اسرائیل کی مصنوعات کا بائیکاٹ زور پکڑ رہا ہے۔

اس مہم نے برسٹل میں جب سے زور پکڑا ہے، لیبر پارٹی حکومت کی غزہ مخالف پالیسیوں پر بڑے زور وشور سے کھلے عام بات ہونے لگی ہے۔ اس بنیاد پر سابق رکن پارلیمان تھینگھم ڈیبونیئر نے یہ الزام عائد کیا ہے کہ وہ گرین پارٹی کی کارلا ڈینور سے جولائی 2024ء کا انتخاب ہار گئی تھی۔ اس شکست کی وجہ یہی مہم بنی تھی۔

اس تنقید کے باوجود پورے برطانیہ میں یہ مہم اب پھیل رہی ہے۔ اب لوگوں نے کارڈف، شیفلڈ، بلفاسٹ برور گلاسکو میں نسل پرستی فری زون بنا لیے ہیں۔ اب یہ تحریک نیوہام، تھانیٹ اور کینٹ میں بھی مقبول ہورہی ہے۔ سٹیفن کا کہنا ہے:

''جو لوگ گھر گھر جارہے ہیں، ہر دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔ وہ سب اس مہم میں نئے ہیں۔ انہیں پہلے سے کوئی تجربہ نہیں ہے۔ یہ لوگ سیاسی بھی نہیں ہیں۔ اس لیے ان کی گفتگو میں زور بھی زیادہ ہے۔''

''مجھے اس پر بہت خوش گوار حیرت ہورہی ہے کہ لوگ کتنی جلدی ہماری بات سمجھ لیتے ہیں۔''

اسرائیل نسل پرست ہے:

''میں اس اسرائیل کو کسی نرم لفظ میں ''نسل پرست'' نہیں کہوں گا۔ المیہ یہ ہے کہ اس نے بے پناہ ظلم کیے ہیں۔ یہ اسرائیلی ریاست کے جرم ہیں۔''

''جب اسرائیلی مصنوعات کے بائیکاٹ کی مہم چلتی ہے تو ہر عام آدمی اس حکومت پر دباؤ ڈالتا ہے۔ وہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس ریاست کی ہر طرح کی مالی امداد بند کی جائے۔ یہ ریاست فلسطینیوں کو ان کے بنیادی حقوق دینے سے انکار کررہی ہے۔''

یہ الفاظ لیبر پارٹی کی رکن پارلیمان کیری پکارتھی کے ہیں۔ وہ برسٹل سے منتخب ہوکر پارلیمان میں آئی ہیں۔ ان کا حلقۂ انتخاب برسٹل کے مشرق میں ہے۔ کیری نے اسرائیل کے بائیکاٹ کی مہم کا ساتھ دینے کے سوال کا جواب نہیں دیا۔

یہاں مہم 2024ء سے جاری ہے۔ اس میں یک دم تیزی نہیں آئی۔ یہ اثر آہستہ آہستہ مرتب ہوا ہے۔ اس کا اجلاس ایک کمیونٹی میٹنگ کی صورت میں ہوا۔ اس میں فلسطینی مسئلہ اجاگر کرنے کے لیے مختلف طریقوں پر غور کیا گیا۔

کام کی جگہوں، دفاتر، فیکٹریوں اور ملوں میں مہم چلائی گئی۔ بہت سے پرجوش لوگوں کا کہنا تھا کہ راست اقدام کرنا ہوگا۔ رضا کاروں کا اصرار تھا کہ ہمیں اپنا پیغام پہنچانے کے لیے ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوط کرنا ہوں گے۔ رضا کار کہہ رہے تھے۔

''ہم دروازوں پر دستک دیں گے۔ ہر دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ اس طرح ہم پوری کمیونٹی کو بائیکاٹ کے لیے تیار کریں گے۔ یہ ایسی مہم ہوگی جس میں سب حصہ لیں گے۔ اپنے گھر پر پہلے دستک دیں گے۔ پھر دائیں اور بائیں جائیں گے۔ سب سے کہیں گے، غزہ مظلوم ہے، اسرائیل نسل پرست ہے۔ یہ اس قدر کیوں پھیل رہا ہے۔

مہم میں شامل افراد اس بات پر یک سو تھے کہ ہمارا ہر قدم پہلے قدم جیسا ہوگا۔ ہمارے طریقے مختلف ہوسکتے ہیں، پیغام ایک ہی ہوگا: ''فلسطین بچانا ہے، اسرائیل کا بائیکاٹ کرنا ہے۔'' ہم سب اس بات پر متفق تھے کہ ہم اسرائیل کی نسل پرستی کو موضوع بنائیں گے۔ زیادہ ایشوز کھڑے نہیں کریں گے۔ ہم نے اس پر بھی بہت غور کیا کہ آغاز کس طرح کریں گے۔ ہم اسرائیل کو نسل پرست کہتے ہوئے خود ہی نسل پرست نہیں ہوجائیں گے۔

یہ بات ہم جانتے تھے کہ اسرائیل کی بائیکاٹ کی مہم کی فہرست بہت لمبی ہے۔ مہم نے ان مصنوعات کو لیا جو ہماری کمیونٹی میں عام تھیں۔ ان میں کوکا کولا، میکڈونلڈ وغیرہ ہمارے سامنے زیادہ رہیں۔ ہم نے اسرائیل کی تازہ پیداوار کو سامنے رکھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ ہر جگہ نظر آتی تھیں۔ یہ ہر کسی کی دسترس میں تھیں۔ سٹورز پر یہ تھیں، ریستورانوں میں تھیں۔ ان کے بارے میں بات کرنا آسان تھا۔ کوکا کولا کی اور دوسری مصنوعات بہت سی تھیں۔ ان پر منافع بھی زیادہ تھا۔

ان کے بائیکاٹ کا کہنے کے ساتھ ہی ہم فلسطین کی مصنوعات پیش کرتے، ان کی وکالت کرتے، مقامی مصنوعات کے لیے کہتے بہت سے مقامات پر بہت محنت کرنا پڑی لیکن ہم نے ہمت نہیں ہاری۔

ہر دروازے تک جانے میں فائدہ یہ تھا کہ بزنس والے اور سٹورز وغیرہ والے ہمیں پہلے ہی جان جاتے تھے کہ ہم نسل پرست اسرائیل کے بارے میں بات کرنے آئے ہیں۔ اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ ہم سے خوف زدہ ہونے کی انہیں ضرورت نہیں ہے۔ وہ سکون سے ہماری پوری بات سن لیتے تھے۔ برسٹل میں ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ ہر بزنس یہ فیصلہ کرنے میں آزاد ہوتا کہ اسے کیا اور کب کرنا ہے، چنانچہ وہ شروع میں ہی زیادہ تر ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ ہماری تحریک کو ایک بڑی کامیابی یوں ملی کہ بٹر فوڈ نامی بڑی کمپنی نے ہماری بات مان لی۔ وہ بائیکاٹ کا حصہ بن گئی۔ ہم نے ان سٹورز اور مقامات پر ایک ورقہ لگانا شروع کیا جہاں ہماری بات سن لی جاتی تھی۔ یہ مشکل کام تھا۔ تاہم مسلمانوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی خوشی سے ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہوجاتے تھے۔

ہمیں اس وقت بڑا حوصلہ ملا جب (ACORN) نامی تنظیم نے ہمارے رضا کاروں کو کنویسنگ کے اصولوں اور طریقوں پر ٹریننگ سیشنز کرائے۔

اس ساری مہم نے ہمیں سکھایا کہ اصل قدر مقصد کی ہے۔ ہمارا مقصد غزہ بچاؤ، فلسطین بچاؤ تھا۔ ہم اسرائیل کے ساتھ اس کی نسل پرست حکومت اور پالیسیوں کے خلاف تھے اور اب بھی ہیں۔ ہماری مہم فلسطین کے لیے ہے اور پھیل رہی ہے۔

خوردبین: ضیاء چترالی

حماس کو 25 ارب 30 کروڑ روپے کی غیبی مدد!!

غزہ پر صہیونی فوج کی جانب سے صبح وشام امریکی ساختہ بموں کی بارش جاری ہے۔ اقوام متحدہ کے اندازوں کے مطابق 7 اکتوبر 2023 سے اب تک 85 ہزار ٹن سے زائد بم گرائے جا چکے ہیں۔ جس سے غزہ تو مکمل طور پر کھنڈر بن گیا۔ لیکن کبھی شر سے کچھ خیر کے پہلو بھی برآمد ہوتے ہیں۔ آتش و آہن کی اس صہیونی برسات کے دوران کچھ بم ایسے بھی ہوتے ہیں، جو ہدف پر گرنے کے بعد بوجوہ نہیں پھٹتے اور یہ ناکارہ بم اگرچہ شہریوں کے لیے ایک نیا خطرہ ہیں، تاہم مزاحمت کار انہیں اپنے لیے نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہیں اور وہ انہیں کھول کر اس سے مختلف قسم کے ہتھیار تیار کر کے پھر اسرائیل کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ یوں اسرائیل کی یہ امانت دوبارہ اسے لوٹاتے ہیں مگر اپنے طریقے سے۔ ناکہ بندی کی وجہ سے غزہ مکمل محاصرے میں ہے، اس لیے وہاں غذائی اشیاء پہنچنا کا بھی محال ہو گیا ہے، ایسے میں اسلحہ بارود کی رسائی کا کیا مذکور! اس کمی کو مزاحمت کاران ناکارہ اسرائیلی بموں سے پورا کر رہے ہیں۔

ایک اسرائیلی رپورٹ کے مطابق، غزہ کی پٹی پر جاری نسل کشی کی جنگ کے دوران اسرائیلی فوج کی جانب سے گرائے گئے تقریباً تین ہزار بم پھٹنے سے رہ گئے ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ بعض اوقات استعمال کیے گئے کل گولہ بارود کا بیس فیصد حصہ نہیں پھٹ سکا۔ مقامی اور بین الاقوامی ادارے متعدد مرتبہ ان نہ پھٹنے والے گولہ بارود کی موجودگی پر خبردار کر چکے ہیں، جو کہ اسرائیلی بمباری کے نتیجے میں غزہ کے مختلف علاقوں میں باقی رہ گئے ہیں اور اب وہاں کے مکینوں کے لیے ایک مستقل خطرہ بن چکے ہیں۔

اسرائیلی اخبار ''ہارٹس'' نے اپنے اقتصادی ضمیمے ''دی مارکر'' میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے مطابق، اسرائیلی فوج کی اندرونی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ ان ناکارہ بموں کو حماس کی عسکری شاخ ''کتائب القسام'' دوبارہ قابلِ استعمال بنا کر صیہونی فوج کو ان سے نشانہ بنا رہی ہے، جس کے نتیجے میں اسرائیلی فوج اور عسکری ساز وسامان کو بھاری نقصان پہنچا ہے، اسرائیل کو اپنے ہی بموں سے پہنچنے والے نقصانات میں جنوری 2025 میں ایک ٹینک کی تباہی بھی شامل ہے۔ رپورٹ کے مطابق، سال 2024 کے اختتام تک اسرائیلی فضائیہ نے غزہ پر چالیس ہزار سے زائد فضائی حملے کیے۔

تین ہزار بم، حماس کے لیے خام مال:

اسرائیلی اقتصادی ویب سائٹ ''دی مارکر'' کے مطابق، سال 2025 کے آغاز تک اسرائیلی فضائیہ کو اس بات کا علم تھا کہ غزہ پر برسائے گئے بموں میں سے کم از کم تین ہزار بم پھٹنے سے رہ گئے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق، ان میں سے ہر ایک بم، جو کہ تقریباً ایک ٹن وزنی ہوتا ہے، کی لاگت بیس سے تیس ہزار ڈالر کے درمیان ہے۔

ناکارہ بموں کی دوبارہ تیاری:

''دی مارکر'' کا کہنا ہے: ''ان نہ پھٹنے والے بموں کو یوں سمجھا جا سکتا ہے جیسے اسرائیل نے انجانے میں حماس کو کروڑوں ڈالر مالیت کا دھماکہ خیز مواد ہدیہ کر دیا ہو، وہ بھی پچھلے ڈیڑھ سال کے دوران، بغیر کسی ارادے یا اختیار کے۔''

رپورٹ مزید کہتی ہے: ''چونکہ حماس اسلحہ اور گولہ بارود کی شدید قلت کا شکار ہے، اس لیے وہ اس مواد سے دیسی ساختہ بم بنانے کا کام لے رہی ہے۔ حالیہ دنوں میں یہی دیسی بم (IEDs) اسرائیلی فوج کے خلاف جنگ میں ایک کلیدی ہتھیار بن چکے ہیں اور یہ ان کی جانیں لے رہے ہیں۔ ویب سائٹ نے مزید خبردار کیا ہے کہ اسرائیلی حکومت کی جانب سے غزہ میں فوجی کارروائیوں میں توسیع کی منظور شدہ حکمت عملی کے بعد، ان بموں کی قیمت اسرائیل کو جانی نقصان کی صورت میں کہیں زیادہ بھگتنی پڑ سکتی ہے۔''

ایک سیکورٹی ذریعے کے حوالے سے بتایا گیا کہ ان بموں کے نہ پھٹنے کی بنیادی وجہ تکنیکی خرابی ہے۔ اسرائیل بموں کو پھٹانے والے آلے کی کمی کا شکار ہے۔ اس لیے ناکارہ بموں کی شرح میں غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے۔ غزہ کی پٹی پر کی جانے والی ہزاروں فضائی کارروائیوں نے اسرائیلی فوج کے بم پھٹانے والے آلات یعنی ''فیوز'' کے ذخیرے کو شدید متاثر کیا ہے۔ ویب سائٹ ''دی مارکر'' کے مطابق، اگر کوئی اس صورتحال کی ایک زندہ مثال دیکھنا چاہے تو وہ اسرائیلی کمپنی ''آریت'' کے حصص کی قیمت میں 2000 فیصد سے زیادہ کے اضافے میں دیکھ سکتا ہے، یہ وہ کمپنی ہے جو مذکورہ فیوزز تیار کرتی ہے اور اس جنگ کے آغاز سے ہی اس کی قدر میں بے تحاشا اضافہ ہوا ہے۔

پرانے فیوزز کا استعمال اور اس کے نتائج:

فیوزز کی قلت کے باعث، اسرائیلی فوج نے پرانے اور ذخیرہ شدہ فیوزز استعمال کرنا شروع کر دیے ہیں، جنہیں مختلف ذرائع سے جمع کیا گیا یا امریکہ سے حاصل کیا گیا، ان میں سے بعض تو کئی دہائیاں پرانے ہیں۔ ''دی مارکر'' کے مطابق، جہاں جنگ سے پہلے نہ پھٹنے والے بموں کی شرح صرف 2 فیصد تھی، وہیں بعض اوقات یہ شرح اب 20 فیصد تک پہنچ گئی ہے، یعنی ہر پانچ بموں میں سے ایک پھٹنے میں ناکام رہا، خاص طور پر وہ بم جو اسرائیلی فضائیہ نے حالیہ عرصے میں غزہ پر برسائے۔

استعمال، خطرناک نتائج:

ویب سائٹ کا کہنا ہے کہ حماس کی عسکری شاخ ''کتائب القسام'' کے لیے ان ناکارہ بموں کو استعمال کرنا کوئی

مشکل کام نہیں ہے۔ وہ اس کام میں وسیع تجربہ رکھتی ہے۔ اکثر وہ بم کو کاٹ کر اس میں موجود دھماکہ خیز مواد نکالتے ہیں اور اسے ایک بڑی دھات کے کنٹینر میں محفوظ کر کے ایک مؤثر دیسی بم میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ یہ صورتحال نہ صرف اسرائیلی فوجی کارکردگی پر سوال اٹھا رہی ہے بلکہ حماس کو ایک غیر متوقع ''مدد'' بھی فراہم کر رہی ہے، جس کا اثر میدانِ جنگ میں واضح طور پر نظر آ رہا ہے۔

رپورٹ میں مزید انکشاف کیا گیا کہ بعض صورتوں میں حماس کے جنگجو بم کو جوں کا توں رکھتے ہیں اور اسے ایک دھاتی تار کے ذریعے متحرک کر دیتے ہیں، یعنی بغیر کسی پیچیدہ ترمیم کے اسے بطور دیسی بم استعمال کرتے ہیں۔

جب ''دی مارکر'' نے اس سلسلے میں اسرائیلی فوج سے ردِعمل جاننا چاہا تو ایک فوجی ترجمان نے دعویٰ کیا کہ:

''غزہ میں ہزاروں گولہ بارود کے استعمال کے باوجود، صرف ایک قلیل تعداد ایسے بموں کی ہے، جو مکمل طور پر اپنے ہدف پر پھٹنے میں ناکام رہے۔''

ترجمان نے مزید کہا:

''اسرائیلی فوج کی حکمت عملی کا حصہ ہے کہ وہ نہ پھٹنے والے بموں کا سراغ لگا کر انہیں موقع پر ہی تباہ کرے، تاکہ خطرہ کم کیا جا سکے۔''

لیکن زمینی حقائق اس دعوے کی تردید کرتے ہیں۔ غزہ کی گلیوں اور کھیتوں میں پھیلے ہوئے اسرائیلی بم اور دیگر جنگی باقیات اب بھی فلسطینی شہریوں کی زندگیوں کے لیے ایک بڑا خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ ان بموں کی موجودگی میں نہ صرف مزید جانیں ضائع ہونے کا خدشہ ہے بلکہ معذوری جیسے مستقل نتائج کا سبب بھی بن رہی ہے، جبکہ مقامی سطح پر نہ تو کوئی ضروری آلات موجود ہیں اور نہ ہی خاطر خواہ وسائل، جن کے ذریعے ان بموں کو محفوظ طریقے سے ناکارہ بنایا جا سکے۔

واضح رہے کہ 7 اکتوبر 2023 سے امریکی حمایت سے جاری اسرائیلی بمباری غزہ میں ایک ہولناک نسل کشی میں تبدیل ہو چکی ہے، جس کے نتیجے میں اب تک 1,71,000 سے زائد فلسطینی شہید یا زخمی ہو چکے ہیں، جن میں اکثریت عورتوں اور بچوں کی ہے، جبکہ 11,000 سے زیادہ افراد لاپتا ہیں۔

9 کروڑ ڈالر کا ہدیہ:

غزہ پر گرائے گئے تقریباً 3000 بم بوجوہ نہ پھٹ سکے۔ جن میں ہر بم کا وزن کم از کم ایک ٹن ہے۔ ہر بم کی قیمت 20,000 سے 30,000 امریکی ڈالر کے درمیان ہے۔ رپورٹ کے مطابق اگر ہم کم سے کم قیمت سے شروع کریں تو ان بموں کی مجموعی قیمت 6 کروڑ ڈالر اور زیادہ سے زیادہ قیمت 9 کروڑ ڈالر بنتی ہے۔ جو کہ پاکستانی کرنسی میں 25 ارب، 30 کروڑ، 80 لاکھ روپے بنتی ہے۔ یہ اسلحہ اب بالواسطہ طور پر حماس کو منتقل شدہ

دھماکہ خیز مواد کے طور پر استعمال ہو رہا ہے۔

نا کارہ بموں کا استعمال:

حماس نے بمباری سے بچ جانے والے بموں کو اسرائیل کے خلاف استعمال کیا ہے۔ انہیں ''نہ پھٹنے والے بم'' (UXO-Unexploded Ordnance) کہا جاتا ہے، یہ حماس کے لیے ایک اہم دھماکہ خیز مواد اور نعمت غیر مترقبہ کا ذریعہ بن چکے ہیں۔ حماس نے اسرائیلی بموں کو دوبارہ استعمال کرنے کے متعدد طریقے اپنائے ہیں:

میکانیکی طریقہ: بعض اوقات حماس کے جنگجو بم کو جوں کا توں رکھتے ہیں اور اسے ایک دھاتی تار کے ذریعے

متحرک کر دیتے ہیں، یعنی بغیر کسی پیچیدہ ترمیم کے اسے بطور دیسی بم استعمال کرتے ہیں۔

دھماکہ خیز مواد نکالنا: زیادہ تر ایسا ہوتا ہے کہ وہ بم کو کاٹ کر اس میں موجود دھماکہ خیز مواد نکالتے ہیں اور اسے ایک بڑے دھات کے کنٹینر میں محفوظ کر کے ایک مؤثر دیسی بم میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

مقامی سطح پر استعمال: غزہ میں حماس نے اسرائیلی بموں کو مقامی سطح پر استعمال کرنے کی مہارت حاصل کی ہے، جو کہ ان کے جنگی وسائل کی کمی کو پورا کرنے میں مددگار ثابت ہو رہی ہے۔

استعمال کی تاریخ:

حماس نے اسرائیلی بموں کو اسی کے خلاف استعمال کرنے کا عمل 2005 سے شروع کیا تھا۔ مثال کے طور پر، 23 ستمبر 2005 کو جب حماس نے جبالیہ پناہ گزین کیمپ میں ایک جلوس نکالا، تو ایک سلسلہ وار دھماکوں میں 19 فلسطینی شہید ہوئے۔ حماس نے اس واقعے کو اسرائیلی فضائی حملہ قرار دیا، تاہم فلسطینی اتھارٹی کے عہدیداروں نے اسے حماس کے اپنے اسلحے کے حادثاتی دھماکے کے طور پر بیان کیا۔

خطرات اور عالمی ردعمل:

غزہ میں اسرائیلی بموں کی موجودگی حماس کے لیے ہتھیاروں کا ایک اہم ذریعہ تو ہے، لیکن یہ عام شہریوں کے لیے ایک بڑا خطرہ بھی بن چکا ہے۔ اقوام متحدہ کی مائن ایکشن سروس (UNMAS) کے مطابق، 2024 کے اپریل تک غزہ میں تقریباً 7,500 ٹن نا کارہ بم موجود تھے، جن کی صفائی کا عمل 14 سال تک جاری رہ سکتا ہے۔ یہ بم نہ صرف حماس کے لیے بلکہ عام شہریوں کے لیے بھی ایک مستقل خطرہ ہیں، جو روزانہ کی زندگی میں رکاوٹ اور جانی نقصان کا سبب بن رہے ہیں۔

یہ اسرائیل کے لیے فوجی، مالی اور اسٹریٹیجک تینوں سطحوں پر اہم اور خطرناک نوعیت کا معاملہ ہے۔

فوجی فائدہ:

حماس کو ان بموں سے ہزاروں کلوگرام اعلیٰ درجے کا دھماکہ خیز مواد حاصل ہو رہا ہے، جو وہ دیسی ساختہ بم (IEDs)، راکٹ اور مارٹر بنانے میں استعمال کر رہی ہے۔

وسائل کی بچت:

حماس کو باہر سے مواد اسمگل کرنے یا مہنگے اور نایاب کیمیکل حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اسرائیلی بم خود مواد کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

براہِ راست حملے:

متعدد رپورٹس (جیسے دی مارکر) کے مطابق، جنوری 2025 میں ایک اسرائیلی ٹینک انہی بموں سے تباہ کیا گیا جو پہلے پھٹنے سے رہ گیا تھا اور بعد میں حماس نے اسے دوبارہ استعمال کیا۔

پروپیگنڈہ جیت:

حماس اسرائیلی اسلحہ کو اسرائیلی فوج کے خلاف استعمال کر کے ''میدان میں ان کے ہتھیاروں سے انہی کو مارنے'' کا بیانیہ بنا رہی ہے، جو نفسیاتی جنگ میں ایک برتری فراہم کرتا ہے۔

ڈر اور نقصان کا عنصر:

اسرائیلی فوج کے لیے اب ہر بم ایک دوہرا خطرہ بن چکا ہے، اگر وہ نہ پھٹا تو حماس اسے واپس ان کے خلاف استعمال کر سکتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ حماس کو ان نا کارہ بموں کی صورت نہ صرف اربوں روپے مالیت کا جنگی سامان ملا ہے، بلکہ یہ اسرائیل کے خلاف زمینی جنگ میں فوری، مؤثر اور سستا ہتھیار بھی بن گیا ہے۔

فلسطین: غزہ، مغربی کنارہ، مسجد اقصیٰ امید سے بھرا

آدھی رات۔۔تاریکی، مایوسی، عدم انصاف اور دھندلکوں سے بہت پہلے رات کی دھند اور ٹھٹھرتے موسم کا نوحہ!

پس آئینہ: ابوالعین

مائیکل ڈوب نے One Minute to Midnight کتاب لکھی تو دنیا سرد جنگ کی انتہا پر تھی۔ اسے سرد جنگ کا ''عروج'' نہیں کہا جائے گا۔ اس کی وجہ بہت سیدھی سی ہے۔ تاریکی، مایوسی، عدم انصاف، یہ سب کچھ سرد جنگ کے عنوانات تھے۔

آج مغربی کنارہ ہو یا غزہ، تو یہی عنوانات ایک بار پھر سامنے آ رہے ہیں۔ نگاہیں کچھ اور دیکھنا بھی چاہیں تو مہذب میڈیا ایسا کرنے نہیں دے رہا۔ اس میڈیا کے راہ نما، مہذب دنیا کے کرتا دھرتا ایسا ہی دکھا رہے ہیں۔ وہ فلسطین کو، مسجد اقصیٰ کو، قبلہ اول کو شعور سے نکال دے رہے ہیں۔ عالم اسلام کے آج کے راہ نما دیکھ رہے ہیں کہ تصویر تک بات آ گئی ہے۔ تصور سے فلسطین، مسجد اقصیٰ اور قبلۂ اول نکالے جا رہے ہیں۔

یہ آج کے مغربی کنارے کا منظر ہے۔ آدھی رات گزر چکی اور باقی نصف گزرنے کو ہے۔ دوسرا منظر غزہ کا ہے۔ غزہ کے در و دیوار ٹوٹ کر بکھر چکے ہیں۔ زندگی ٹھٹھر چکی ہے۔

عالمی شعور غزہ کو یادِ ماضی کے حوالے سے جاننے سے بھی انکار کر رہا ہے۔ پھر بھی غزہ کو شعور سے نکالے جانے کے عمل کو مزاحمت کا سامنا ہے۔

لوئیس تھیروکس نے اسرائیل پر دستاویزی کام کیا ہے۔ کہنے والے کہہ رہے ہیں کہ یہ بہت مضبوط کام ہے۔ بہت سے سوئے ہوؤں کو اس کام نے جگا دیا ہے۔ اس کام پر تنقید بھی ہو رہی ہے، سخت تنقید کی جا رہی ہے۔ لوئیس نے غالباً پہلی بار اسرائیل کے آبادکار یہودیوں کے بارے میں کہا ہے۔

''میں ہرگز اتفاق نہیں کرتا، اگر نرم الفاظ میں بھی بیان کیا جائے تو آبادکار (Settler) تو کہیں سے بھی بے ضرر لفظ نہیں ہے۔ ہلکا پھلکا لفظ نہیں ہے۔ اس سے تاثر ابھرتا ہے کہ کوئی دنیا کے کسی کونے سے اٹھا اور اسرائیل آ کر آباد ہو گیا اور بس! یہ ایسا تو نہیں ہے کہ کوئی برف کا گولہ ہے جو آرام سے آن گرا ہے یا کوئی مسافر تھا، تھکا ماندہ، اسے منزل مل گئی ہے۔

یہ سب آنے والے، فلسطین جن کا وطن نہیں ہے، فلسطینی دیکھ رہے ہیں، انہیں گن پوائنٹ پر دکھایا جا رہا ہے، دنیا دیکھ رہی ہے، اسے فلسطین مخالف مفادات دکھا رہے ہیں۔ یہ لوگ آبادکار تو ہرگز نہیں ہیں۔ یہ تو قابضین ہیں، قبضہ کرنے آ رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ یہ نوآبادیات کے کل پرزے ہیں۔ یہ خود نوآبادیات ہیں۔ یہ لوگ ''آباد'' نہیں ہو رہے ہیں۔ یہ یہاں کی مستقل آبادیوں کو بے آباد کر رہے ہیں۔ یہ قبضہ گروپ ہیں۔

یہ قابض لوگ، قبضہ کرنے والے لوگ دعویٰ کر رہے ہیں کہ انہیں یہ ''حق خدا نے دیا ہے۔'' یہ دعویٰ عام سننے میں آ رہا ہے۔ سابق امریکی صدر جو بائیڈن کے ساتھ سابق وزیر خارجہ انتھونی بلنکن سے جب خود امریکی سوال کرتے تھے: اسرائیلی فلسطینیوں کو مار رہے ہیں، انہوں نے اتنے اور اتنے مار دیے، تو وہ رعونت سے کہتا تھا: They are Chosen People۔ ان کو خدا نے چنا ہے۔ عام طور پر یہ استعارہ ہی تو بن گیا ہے۔ جب عملی صورت

دیکھنے کو ملے تو کسی کی بھی ریڑھ کی ہڈی تک لرز اٹھتی ہے۔

آج سب اس کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مسلح آبادکار یہودی، اسرائیلی، قابضین، نو آبادکار اپنے مویشیوں کو ایک اسی سالہ بوڑھے فلسطینی کے کھیتوں میں چرا رہے ہیں۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے ہیں، آنکھیں پرنم ہیں، نم دیدہ ہیں۔

وہ انہی لرزتے کانپتے ہاتھوں سے ان آبادکاروں سے ملتجی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہتا ہے: ”یہ دستاویزات میرے ابا سے مجھے ملی ہیں۔“ وہ اپنا مقدمہ پیش کر رہا ہے۔ لیکن سنتا کون ہے؟ اقتدار میں بیٹھا سموٹریک، بن غفیر یا نیتن یاہو تو بالکل نہیں سن رہے۔ وہی تو ان آبادکاروں کا ہوائی اڈوں پر استقبال کر رہے ہیں۔

اس بوڑھے فلسطینی کے گرد چند گرویدہ، لرزیدہ فلسطینی کھڑے ہیں۔ یہ محض تماشائی ہیں۔ کچھ اسرائیلی بھی ہیں، کچھ وہ بھی ہیں جو خود کو انسانی حقوق کی بین الاقوامی تنظیموں کے نمائندے کہتے ہیں۔ لوئیس کا کہنا ہے کہ ”میں بھی ان میں شامل ہوں، میرے وفد کے لوگ بھی ہیں۔“

کوئی مداخلت نہیں کر رہا۔ کچھ حوصلہ نہیں رکھتے، کچھ مداخلت کرنا نہیں چاہتے، کچھ آبادکار ہیں، خود قابض ہیں، نو آبادکار ہیں۔ وہ کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ فلسطینی محو حسرت ہیں (یاد رہے، محو حیرت نہیں ہیں)۔ ایک بات واضح ہے: ظلم حد سے بڑھ چکا ہے۔ رات نصف ہو چکی ہے۔

آبادکار مسلح ہیں۔ وہ دیدہ دلیری پر اتر آئے ہیں۔ چند ہی قدموں کے فاصلے پر اسرائیلی پولیس والے کھڑے ہیں۔ وہ بھی قہقہہ بار ہیں۔ بوڑھے فلسطینی کا تمسخر اڑا رہے ہیں۔ کچھ فاصلے پر قابض فوج کھڑی ہے۔ وہاں موجود پولیس اور فوج کے جملہ حکام مہر بلب ہیں، بڑبڑا رہے ہیں، کچھ کلبلا رہے ہیں۔

ناانصافی اپنے انتہا پر ہے۔ ایک طوفان ہے جو آتا نہیں ہے، صرف آتا جاتا محسوس ہوتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑے منظر کا بہت چھوٹا عکس ہے۔ نو آبادیات پھیل رہی ہیں، آبادکار بڑھ رہے ہیں۔ جن کو نو آبادیات زدہ کیا جارہا ہے، جن پر قبضہ کیا جارہا ہے، وہ بے بس ہیں، مجبور اور جان جانے کا خطرہ بڑھتا جارہا ہے۔ عالمی نظام دیکھ رہا ہے، عالم اسلام دیکھ رہا ہے لیکن بصیرت کے بناء ہے، دنیا بڑبڑا رہی ہے، بول نہیں رہی۔۔۔ یہ ظلم ہے، زیادتی ہے، یہ ناانصافی ہے اور بس!

اسرائیل ڈھٹائی پر اترا ہوا ہے، دھڑلے سے ظلم کر رہا ہے۔ امریکہ اس کی پیٹھ ٹھونک رہا ہے۔ چند عرب سرمایہ دے رہے ہیں کہ ظلم میں کوتاہی اسے برداشت نہیں ہے۔

آبادکار اس بوڑھے کی دستاویز پھاڑ رہے ہیں، اسے دھکے دے رہے ہیں، ان بوڑھی ہڈیوں کو بندوقوں کے بٹ مار رہے ہیں۔ اس کے اہل خانہ کو انہی کے گھر سے نکال دیا گیا ہے، گھر پر فوج نے اپنی نگرانی میں بلڈوزر چلا دیا ہے۔

آبادکار عربوں پر طعنہ زن ہیں، رسولؐ عربی پر (نعوذ باللہ) طعنہ زن ہیں۔ توہین رسالت پر بھڑک اٹھنے والے برف کی سلوں میں جا سوئے ہیں۔

جب ان آبادکار یہودیوں سے لوئیس کے وفد نے دریافت کیا کہ آپ کو ایسا کرنے کا حق کس نے دیا ہے؟ ان کا جواب تھا۔

”خدا نے ہمیں یہ زمین دی ہے۔“

اس میں سب سچ ہے۔ صرف خدا کا نام غلط لیا جارہا ہے۔

اب ایک منظر اور بھی ہے۔ یہ مسجد اقصیٰ کا منظر ہے۔ یہ دو ارب مسلمانوں کی مقدس عبادت گاہ ہے۔ یہ ان کا قبلۂ اول ہے۔ اب حقیقت میں خطرے، دھونس اور دھمکی کی زد میں ہے۔

جب لوئیس کا وفد مسجد پہنچا۔ یہ یہودیوں کے موسم بہار کے تہوار کے ایام تھے۔ اسے Passover کہا جاتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس موقع پر یہودیوں کو مصری غلامی سے نجات ملی تھی۔ بتایا تو یہ بھی جاتا ہے اور آج کا گوگل بھی بتاتا ہے کہ اسرائیلیوں کو نجات ملی تھی۔

جب وفد مسجد اقصیٰ پہنچا تو اس کی مکمل ناکہ بندی تھی۔ راستے بلاک تھے۔ ہمارے وفد میں برطانوی رکن پارلیمنٹ شوکت آدم اور اینڈریو جارج بھی تھے۔ یہ اسی سال اپریل میں مقبوضہ مغربی کنارے گئے تھے جب وہاں موجود حکام سے دریافت کیا گیا کہ ایسا کیوں ہے؟ ان کا وہی جواب تھا:

”ہماری مرضی، خدا نے ہمیں یہ زمین دی ہے۔“

وہاں یہودی عبادت گزار آ اور جا بھی رہے تھے۔ فضا میں ان کے مذہبی گانے گونج رہے تھے۔ ان میں بتایا جارہا تھا کہ تھرڈ ٹمپل تعمیر کرنے کو ہم آ رہے ہیں۔ تیسرا ہیکل سلیمانی مقبوضہ بیت المقدس میں جگہ جگہ اپنی شبیہہ کے ذریعے دکھائی دے رہا تھا۔ آبادکار یہودیوں کے غول در غول آ رہے تھے۔ قابض فوج ان کی حفاظت پر لگی ہوئی تھی۔ مسلم اور مسیحی عبادت گزاروں کو مسجد کے قریب آنے سے بھی روکا جارہا تھا۔

یہ سب کچھ اسی رفتار کا حصہ تھا۔ لوئیس نے حالات کی جو تصویر برطانوی اہل وطن کو دکھائی، وہ سب اس پر سخت برہم تھے۔ لیکن اس کے مضمرات بہت ہی خطرناک ہوں گے۔ جب بھی الاقصیٰ کا کردار تبدیل کیا جائے گا، یا ایسی کوشش ہوگی تو بیت المقدس بھڑک اٹھے گا۔ یہاں مسلم اور مسیحی نہیں رہ پائیں گے تو یہودی کہاں رہ پائیں گے۔ اگر یہ اشتعال جاری رہا، اسے روکا نہ گیا تو ہم سب ایک تباہی کی سمت سفر کر رہے ہیں۔ یہ تباہی اتنی بڑی ہوگی کہ ہم ابھی سوچ بھی نہیں سکتے۔

یہ تباہی کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو، مسلمانان عالم کو متاثر نہیں کر سکے گی۔ وہ ایک اور رات کے نصف گزر جانے کے انتظار میں رہیں گے۔ وہ کہیں گے۔۔۔ سرنگ کے دوسرے کنارے پر روشنی ہے۔ جب دوسرے کنارے تک پہنچیں گے تو پوچھیں گے کہ نصف رات کیا ہوئی؟

اب دنیا کی نگاہیں درست طور پر غزہ پر لگی ہیں، دنیا وہاں انسانیت کو، نسل انسانی کو قتل ہوتے دیکھ رہی ہے۔ ہم اسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ مغربی کنارے میں کیا ہو رہا ہے، ہم اسے بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم نظر انداز کر رہے ہیں، دنیا بھی ایسا ہی کر رہی ہے۔ فلسطینیوں سے ان کے انسان ہونے کا حق بھی سلب کیا جارہا ہے۔ ان کے غم کو افسر شاہی کے الفاظ کم کر کے دکھا رہے ہیں۔ ان کو جن شہ سرخیوں میں بیان کیا جارہا ہے، ان میں سے ان کا ”زہر“ نکال دیا جاتا ہے۔ وہ عام سی ہومیو پیتھک سی سرخیاں بنا دی جاتی ہیں۔۔۔ لیکن جو ہو رہا ہے، وہ تو سچ ہے، حقیقت ہے اور یہ بڑا ظالم اور سفاک سچ ہے۔

غزہ کمیونٹی مینٹل ہیلتھ پروگرام کے بانی ڈاکٹر عیاد السراج مرحوم نے ایک بار کہا تھا۔۔۔ قبضے نے فلسطینیوں کو بری طرح ہلا مارا ہے، شدید اذیت سے دوچار کیا ہے اور ناقابل بیان تکلیف سے دوچار کیا ہے۔ میں نے یہ منظر ایک نوجوان بیوہ کے چہرے پر لکھے دیکھے۔ وہ تلکرم میں تھی۔ اب وہاں نئے بے گھر ہونے والے فلسطینی جمع کیے گئے ہیں۔ اس نے اپنی بچی کا ہاتھ زور سے پکڑ رکھا تھا۔ وہ اس کے ساتھ یوں چپکی جا رہی تھی کہ سارا خوف اس کی نگاہوں میں سمٹ آیا تھا۔ اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ مجھے لگا کہ وہ کہہ رہی تھی:

you have failed us

میں اسے دلاسا دینا اور کہنا چاہ رہا تھا کہ ایسا نہیں ہے۔ لیکن میرا دل میرے الفاظ کا رفیق کہاں تھا۔

میں کچھ نہ کہہ سکا۔

اب غزہ کا یہ منظر چار ڈاکٹروں کی زبانی، خوف، درد اور اس کے باوجود اور باوصف امید کی کہانی

اس کہانی کا آغاز غزہ کے علاقے خان یونس میں ناصر میڈیکل کامپلیکس میں ڈیوٹی کر رہے ہیں۔ وہ کچھ بتانے کے بجائے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ وہ اپنے کام کے دوران میں پیش آنے والے واقعات بتاتے ہوئے کہنے لگا کہ بھوک سے، پیاس سے، ادویات نہ ہونے مرتے لوگوں کو دیکھ کر کس قدر دکھ، درد اور تکلیف دہ حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس نے بتایا:

’’مجھے وہ بچہ نہیں بھولتا جو سامنے دروازے میں کھڑا تھا۔ خوف، حیرانی اور دکھ سے بھرا ہوا، وہ اپنے خاندان کے سارے لوگ، ماں باپ، بہن، بھائی، دادا، دادی اور بھی دوسرے کھو کر یہاں پہنچایا گیا تھا۔ میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا، کسی صورت فراموش نہیں کر سکتا۔‘‘

ڈاکٹر یہ سب بیان کر رہا تھا اور اس کے آنسو رکنے میں نہیں آ رہے تھے۔ ڈاکٹر مساد رحمہ ورلڈ وائیڈ آرگنائزیشن کے رکن ہیں۔ یہ قطر سے آئے چار ڈاکٹروں میں سے ہیں جو رضا کارانہ خدمات کے لیے غزہ آئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب بتا رہے تھے:

’’مجھے لگا کہ کوئی مسئلہ نہیں، ہم کام کرنے آئے ہیں۔ ہم یہ سوچ کے آئے تھے کہ سخت حالات ہر جگہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں آئے تو احساس ہوا کہ بس! بہت ہو گیا۔ اب بہت ہو گیا۔ ہم غزہ سے باہر تھے تو یہاں کی خبریں سنتے تھے اور دیکھتے تھے۔ یہاں آئے تو احساس بدل گیا، پھر بھی میں اپنے حصے سے زیادہ کا کام کر رہا ہوں۔

یہی جذبات اور احساسات باقی تین ڈاکٹروں کے تھے۔ ان میں آرتھوپیڈک سرجن ڈاکٹر انس ہجوی بھی تھے۔ ان کے پاس ڈاکٹروں کی لمبی فہرست تھی جو غزہ آنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی خدمات پیش کیں اور دستخط بھی کیے تھے۔ ان میں سے بعض کو پانچ ماہ انتظار کرنا پڑا۔ ان چار میں تیسرا نام ڈاکٹر دیا رَشدن کا تھا۔ وہ ماہر امراض چشم تھے۔ وہ نہایت دھیمی آواز میں یوں بات کرتے کہ شاید انہیں بھی ان کی آواز سنائی نہیں دیتی ہوگی۔ ان ڈاکٹروں کو اسی منگل کو واپس چلے جانا تھا۔

’’لیکن مجھے علم ہے کہ ابھی اور ڈاکٹر آنے کو تیار ہیں، صرف آنے کے منتظر ہیں۔ غزہ میں ان کا کام آسان نہیں ہوگا۔ لیکن یہ کام بھی تو کرنا ہے۔ وہ ضرور آئیں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہر دن ایک نیا چیلنج ہے، دکھ اور کرب کی نئی داستان ہے۔ یہاں اموات کا سلسلہ ہے کہ تھمنے میں نہیں آتا۔ غزہ والوں کو آج کی ترقی یافتہ مہذب اقوام نے صرف مرتے دیکھا ہے۔ یہاں بیماریوں کا لامتناہی جنگل ہے، زخموں کی ہر کہانی دوسری کہانی سے الگ ہے۔ آلات نہیں ہیں، بے ہوش کرنے کی ادویات نہیں ہیں۔‘‘ ڈاکٹر مساد مسلسل بول رہے تھے اور روئے جا رہے تھے۔

اسرائیل ہسپتالوں کا سامان روک لیتا ہے۔ میڈیکل مشن کو کہا جاتا ہے، جانا ہے تو خالی ہاتھ جاؤ، پشت بچا کے جاؤ، کوئی گولی کہیں سے بھی آ سکتی ہے۔

چناں چہ ڈاکٹروں کو جو آلات دستیاب ہوتے ہیں، انہی سے کام نکالتے ہیں۔ بعض اوقات دوبارہ استعمال کرنا پڑتے ہیں۔ ڈاکٹر غزہ والوں کے زخم بھرنے آئے ہیں، ان کا علاج کرنے آئے ہیں اور یہ کام کرتے رہیں گے۔ ڈاکٹر ہجوی کہتے ہیں کہ بہت سے مواقع آتے ہیں، ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آلات کو جراثیم سے پاک کرنا ہے۔ لیکن ہم انہیں بار بار استعمال کرنے پر مجبور ہیں۔ آپریشن بھی تو کرنے ہیں۔

جب ڈاکٹر غزہ آ رہے ہوں تو حالات پر ان کی پوری نظر ہوتی ہے۔ وہ ہر تبدیلی، ہر آزمائش جانتے ہوئے غزہ آتے ہیں۔ یہ ان کا شعوری فیصلہ ہوتا ہے، جذباتی نہیں۔

ماہر ڈاکٹر المان نصیر کا کہنا تھا:

’’غزہ کے لوگ جس کرب سے گزر رہے ہیں، اسے الفاظ میں بیان کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اسی طرح سے جس تھکاوٹ، درد اور تکلیف سے ڈاکٹروں کا سامنا ہے، وہ بھی ناقابل بیان ہے۔ وہ سال سے بغیر رکے کام کر رہے ہیں۔ وہ اپنے ذاتی مسائل کا سوچتے بھی نہیں۔ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتے۔‘‘

ڈاکٹر نصیر اس کیس کا تذکرہ کرتے رو دیے۔ ایک کنسلٹنٹ کو میں نے الجزیرہ کے لیے رپورٹ کرتے ہوئے روتے دیکھا تو جذبات کا سمندر سنبھالنا بہت مشکل تھا۔ یہ دو سال کے ایک بچے کا کیس تھا۔ اس کے گھر پر اسرائیل نے بمباری کی تھی۔ سب مارے گئے تھے۔ بس یہی بچہ تھا جسے ہسپتال لایا گیا۔ اسے سانس دلانے کی ساری ترکیبیں آزما لی گئیں۔ اس کی فوری سرجری بہت ضروری تھی۔ میں آپریشن روم میں آرتھوپیڈک سرجن کو معاونت دے رہا تھا۔ ہمیں یہ یقین ہو چلا تھا کہ بچہ اب زندہ نہیں رہ سکے گا۔ اگلی صبح وہ بچہ دم توڑ گیا۔ ڈاکٹر صاحب روتے ہوئے بتا رہے تھے:

’’وہ میرے بیٹے کا ہم عمر ہی تو تھا۔ اس کا نام کنعان تھا۔ میرے بیٹے کا بھی یہی نام ہے۔ اللہ اس کے ماں باپ کو معاف کرے جواب اس کے ساتھ ہوں گے۔‘‘

زخم اس قدر تکلیف دہ ہوتے ہیں اور فوری توجہ اور مرہم درکار ہوتے ہیں جس طرح کنعان کے زخم تھے۔ ایسے ہی زخمیوں سے ہماری روزانہ ملاقات ہوتی ہے۔ ایسے میں بہت زخمی بعد میں دیکھنے ہوتے ہیں جن کے زخم کچھ کم ہوں۔ لیکن ان کے لیے چیخ و پکار کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ بعض انہی زخموں سے اللہ کو پیارے ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ان تک پہنچ بھی نہیں پاتے۔

غزہ میں انسانیت قتل ہو رہی ہے۔ دنیا کہہ رہی ہے کہ غزہ میں Genocide جاری ہے لیکن صرف کہہ رہی ہے۔ ایسے میں بہت توانائی درکار ہوتی ہے، اندرونی طور پر مضبوطی کا امتحان ہے، آزمائش ہے۔

زخمی لوگ، زخمی بچے، سب ہسپتال ہی لائے جاتے ہیں۔ ہم میں سے ایسے بھی ڈاکٹر ہیں جو روزانہ اپنی اہلیہ کو ہمیشہ کے لیے اللہ حافظ کہہ کے آتے ہیں۔ ہمیں ہر وقت ایمبولینسوں کی آوازیں آ رہی ہوتی ہیں۔ ہٹو، ہٹو، راستہ چھوڑو کی پکاریں بلند ہو رہی ہوتی ہیں۔ ہم ایمرجنسی کمرے سے نکل نہیں پاتے کہ نئی کارپس آنے لگتی ہیں۔

ہمارے پاس سے نرس بھاگتی ہوئی گزرتی ہے اور کہتی جاتی ہے کہ فلاں گھر میں ایمبولینس بھیجو، جلدی کرو، جلدی کرو۔ اسے معلوم ہے کہ ہم سب جلدی میں ہی ہیں۔ زندگی بچانے کی جلدی، زندگی بہتر بنانے کی جلدی۔

نرس کے گھر ایمبولینس گئی، اس کی ماں اور باپ کو لے کر آئی۔ دونوں گزر چکے تھے۔ اس کا سارا خاندان وہاں چلا گیا تھا جہاں کوئی نیتن یاہو نہیں ہے، جو بائیڈن اور ٹرمپ نہیں ہے۔

یہ چاروں ڈاکٹر پیڈیاٹرکس کے مریضوں کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ معصوم اور ننھی کلیاں جن کو گود میں لیتے ہی احساس ہو جاتا ہے کہ اب انہیں ہماری ضرورت نہیں رہی۔ انہیں کسی کی بھی ضرورت نہیں رہی۔

ایک لڑکی کے پاس ڈاکٹر نصیر کے ساتھ جانا ہوا۔ وہ جل گئی تھی۔ وہ بہتر ہو رہی تھی۔ وہ پوچھ رہی تھی: ’’ڈاکٹر صاحب! جلنے کے یہ نشان ختم ہو جائیں گے نا!‘‘ ڈاکٹر نے لمحہ بھر اس لڑکی کو کہا اور بولے:

’’آج کا دن آپ کے لیے امید کا دن ہے۔ آنے والے دن کو امیدوں سے بھرا آپ نے بنانا ہے۔‘‘

مہمان کالم: جوناتھن کک

غزہ: اسرائیل پر تنقید

کینیڈا، برطانیہ فرانس سٹریٹجک دھوکہ دے رہے ہیں

مغربی ممالک ابھی بھی اسرائیل کے ساتھ ہیں۔ ان کے ساتھ رابطہ رکھے ہوئے ہیں۔ اس کام میں امریکہ اور اسرائیل دونوں ایک ہیں (یہ خیال ذہن سے نکال دیں کہ اکیلا اسرائیل یہ سب کر رہا ہے)۔ اسرائیل پر تمام ممالک منافقانہ تنقید کر رہے ہیں۔ در پردہ غزہ کی نسل کشی (20 لاکھ فلسطینیوں کے آخری فرد کے خاتمے اور ہڈیوں کے سرمہ ہونے تک یہ قتل جاری رہے گا، ان کی مکمل حمایت اسرائیلی قصائی کے ساتھ جاری رہے گی۔ اس میں وقفہ نہیں آئے گا۔

انیس مہینوں میں ان ممالک نے شکل مومناں، کرتوت کافراں والا کام کیا ہے۔ غزہ کو برباد کرنے میں اسرائیل کا ہر طرح سے ساتھ دیا ہے۔ اب مغربی ممالک کے عوام میں بالکل نیا چورن بیچا جا رہا ہے۔ یہ چورن نیا ضرور ہے لیکن اتنا ہی دھوکہ ہے۔ منافقانہ بیانیہ ہے اور کچھ نہیں ہے۔

غزہ نے مغرب کا اسرائیل کی کھلی حمایت کا ایک انداز اب تک دیکھا ہے۔ اب نیا انداز دوبارہ دیکھا جا رہا ہے۔ اس میں جو کچھ کہا اور لکھا جائے گا، اس سے مراد یکسر الٹ لی جائے گی۔ اگر یہ کہا اور لکھا جائے گا کہ اسرائیل ظالم ہے، ظلم کر رہا ہے، تو اس سے مراد یہ لی جائے گی کہ اسرائیل اپنے ظلم کو تیز کرے، جو کر رہا ہے، وہ کافی نہیں ہے۔ یہ نیا انداز جلدی میں لکھا گیا سکرپٹ ہے لیکن اس میں کسی غلطی کا ذرہ بھر امکان نہیں ہے۔ یہ جھوٹ کا بہترین شاہکار ہو گا۔

نہیں اس کام کے لیے ایک خفیہ، در پردہ ہاتھ ہدایات دے رہا ہے۔ یہ ہدایات برطانیہ، فرانس اور کینیڈا وصول کر رہے ہیں۔ یہ تینوں امریکی اتحادی ہیں۔ چند دنوں سے یہ ایک ہی مؤقف اپنائے ہوئے ہیں۔ یہ اسرائیل کی مذمت کر رہے ہیں (ان کے نئے مؤقف کے بارے میں اسرائیل نے انہیں حماس کے ساتھ قرار دیا ہے۔ ان کا الٹ آپ سمجھ جائیں)۔

یہ سب کچھ جو تینوں ملک کہہ رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ اسرائیل غزہ کے ساتھ جو کچھ کر رہا ہے، اس میں کوئی تناسب نہیں ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اسرائیل کو غزہ کے ہر حصے میں تباہی کو ہمہ گیر اور متناسب بنانا چاہیے۔ اسرائیل نے ایک مہینے سے (ایک نہیں، تین مہینے سے) فلسطینی شہریوں کا خاتمہ بھوک کے ہتھیار سے کر رہا ہے اور یہ سب کچھ ناقابل برداشت ہے۔

اس لب و لہجے میں تبدیلی، اسرائیل کے بارے میں (اس کے خلاف نہیں) سخت تنقیدی رویہ بے وجہ نہیں ہے۔ یہ سب کچھ مغربی میڈیا میں بھی اختیار کیا جا رہا ہے۔

یہ بات یاد رہے کہ میڈیا کی مقتدرہ کے بیانیہ میں شفٹ پہلے آئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برطانیہ کے وزیر

اعظم کیئر سٹارمر، فرانس کے صدر ایمانویل میکرون اور کینیڈا کے وزیر اعظم مارک کارنے گزشتہ ایک سال سے جو کچھ کر رہے ہیں، اب ان کا لب ولہجہ عجیب نہ محسوس ہو۔ ان کے بیانات سے اس بات کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ اس کی جانب سے جاری منظم نسل کشی کی پالیسی میں کون سا حصہ نامکمل رہ گیا ہے۔ وہ اسی طرح سے۔ توجہ دلاتے ہیں۔ جب تک اسرائیل اس پر عمل نہیں کرتا، وہ یہ سب کرتے رہتے ہیں اور نہایت ہی بے رحمی سے توجہ دلاتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ اسرائیل نے بہت ظلم کر دیا ہے، حالاں کہ وہ بتا رہے ہوتے ہیں کہ کمال ہے تم اس قدر غافل بھی ہو سکتے ہو!

میڈیا اور سیاست دان دونوں اپنی ہی عوام کو بڑی ہی خوبصورتی سے دھوکہ دیتے ہیں۔ گہرائی سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مغربی ممالک اسرائیل سے مکمل رابطہ کاری بحال ہوئے ہیں۔ اسرائیل کی ایک شخصیت نے ہارٹز اخبار سے یہ صاف اعتراف کیا کہ لب ولہجہ میں یہ اچانک تبدیلی کیا ہے۔ اس نے کہا کہ 24 گھنٹوں میں آنے والی تبدیلی ایک منصوبے کے تحت آ رہی ہے جس کا مقصد درپردہ حملہ کرنا ہے جس کے بارے میں ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ یہ اقدامات مکمل طور پر رابطہ کاری کا ہی نتیجہ ہیں۔ اور اس کی بڑی وجہ یورپی یونین کا آنے والا اجلاس ہے۔ یہ برسلز میں ہوگا۔

یہ سب کچھ انہوں نے اپنے ہی ہاتھ سے لکھا ہے۔ یہ ان کی کمال فن کاری ہے جو غزہ کے سٹیج پر دکھائی جا رہی ہے۔ پہلے راگ الاپتے رہے: ''اسرائیل کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے۔'' پھر مہینوں خاموشی اور یوں صیہونی قابض اسرائیل کو موقع دیا گیا کہ جس قدر اپنا کام کر سکے، مکمل کر لے۔ وہ کام نسلی بربادی تھا، وہ نسلی صفائی تھا۔

اب مغرب نے بے مقصد مباحث چھیڑ دیے ہیں۔ یہ سارے مباحث اسرائیل نے ہی چھیڑے ہیں۔ مثال کے طور پر کہا جانے لگا ہے کہ امداد تو حماس چوری کر رہی ہے۔ امداد تو خاصی اچھی مقدار میں جا رہی تھی، تقسیم ہوتی تو بات تھی۔

اس سب کا مقصد محض شور مچانا تھا۔ دنیا کی توجہ ہٹانا تھی۔ اسرائیل مسلسل نسل کشی کر رہا تھا اور وہ غزہ کی آبادی کو بھوک سے بھی ختم کر رہا ہے۔ مغرب اس نسل کشی میں اس کا ساتھ دے رہا ہے۔

اسرائیل نے امداد کی جس طرح ناکہ بندی کر رکھی ہے، ساری خوراک ضائع ہو رہی ہے۔ ہزاروں ٹرک کھڑے ہیں۔ اقوام متحدہ کے انسانی امور کے ڈائریکٹر ٹام فیلچر نے خبردار کیا تھا کہ 14 ہزار کے لگ بھگ نوزائیدہ بچے اگلے 48 گھنٹوں میں موت کو گلے لگا لیں گے۔ ان تک فوراً خوراک پہنچنی چاہیے۔ (ان 48 گھنٹوں کو اب کئی دن گزر چکے ہیں اور روزانہ بچے مر رہے ہیں)۔

پھر اسرائیل کے وزیر اعظم نیتن یاہو نے اعلان کیا کہ ہم غزہ میں خوراک جانے دے رہے ہیں۔ اس دن پانچ ٹرک اندر جانے دیے۔ جہاں روزانہ 500 ٹرک خوراک ضروری ہے، وہاں صرف پانچ؟ ان میں صرف نوزائیدہ بچوں کی مختصر سی خوراک تھی۔ غزہ میں داخلے کے راستوں پر فوج بیٹھی ہے۔ 2 مارچ سے کوئی خوراک اندر جانے نہیں دی گئی۔ گویا بھوک کو جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔

پھر کہا گیا کہ 100 ٹرک خوراک غزہ میں جانے دی گئی ہے۔ یہ کم سے کم خوراک تھی۔ یہ بھی محدود آبادی تک جانے دی گئی۔ مغربی ملکوں کو ایک حد میں رکھنے کے لیے یہ ایک ترکیب تھی۔ مقصد یہ تھا کہ ان ملکوں میں سیاستدانوں پر دباؤ کم کیا جا سکے تا کہ یہ اسرائیل کو سزا دینے کی بات نہ کریں اور نسل کشی جاری رکھی جائے۔

پھر نیتن یاہو نے کہا: دنیا بھر میں ہمارے فرینڈز، امریکہ میں اسرائیل کے حامی امریکی سینیٹرز، وہ ہمیں بتا رہے ہیں کہ ہمیں وہ امداد بھی دے رہے ہیں، اسلحہ اور گولہ بارود بھی۔ حمایت اور تحفظ بھی دے رہے ہیں۔ وہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ہماری حمایت بھی کر رہے ہیں۔ اسرائیل کے وزیر خزانہ سموٹریک نے زیادہ واضح اور کھلی بات کی۔ اس نے کہا: حماس کو تباہ کرنے کے عمل میں ہم سارے غزہ کو بھی تباہ کر دیں گے۔

پتھر کے زمانے کو واپسی: مغربی ممالک کے عوام دیکھ رہے ہیں کہ 19 مہینوں سے تباہی مسلط کی جا رہی ہے۔ یا انہوں نے بہت کم حصہ ہی دیکھا ہے۔ مغرب کا میڈیا ان واقعات کی کم سے کم کوریج ہی دکھاتا ہے۔ غزہ میں اسرائیل نے بڑے منظم طریقے سے وہاں کے لوگوں کی زندگی کے لیے لازمی ہر سہولت تباہ کر دی ہے۔ گھر، ہسپتال، سکول، یونیورسٹیاں، بیکریاں، پانی کا نظام، کمیونٹی کچن کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ اسرائیل بیس سال سے دھمکیاں دے رہا تھا کہ وہ غزہ کو مکمل تباہ کر دے گا۔ اس نے اب اس پر عمل کر دیا ہے۔ اب یہاں کے لوگوں کو پتھر کے زمانے میں واپس بھیج دیا گیا ہے۔

ہالینڈ کا اخبار این آر سی نسل کشی کے بارے میں سکالرز سروے کا وسیع تجربہ رکھتا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ تمام کا یہ متفقہ کہنا ہے کہ اسرائیل نے نسل کشی کی ہے۔ زیادہ تر کا اتفاق ہے کہ یہ نسل کشی اپنے تکمیلی مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔

غزہ: ٹینٹ، حبس، گرمی، بے پردگی اور نہ جانے کیا کچھ!

براہ راست رپورٹ: ثامر بل

نائیلون سے بنے ٹینٹ کی دیواریں بہت پتلی اور کمزور تھیں۔ ہمارے پڑوسی ہم سے ایک میٹر کے فاصلے پر تھے۔ یوں لگتا تھا کہ وہ اس سے بھی زیادہ ہمارے اور ہم ان کے قریب ہیں۔ یرموک سٹیڈیم میں ہمارے یہ ٹینٹ بہت بڑی آبادی کو سموئے ہوئے تھے۔ غزہ سٹی میں ٹینٹ آبادی ایک دوسرے کی سرگوشی تک آسانی سے سن لیتی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ سب کھلے آسمان تلے ایک، دوسرے سے جڑے بیٹھے ہوں۔ ان سب کے درمیان کوئی رکاوٹ ہی نہ ہو۔

ایک رات ہمارے پڑوس میں کوئی نہا رہا تھا۔ مجھے بالٹی بار بار بھرے جانے کی صدا آ رہی تھی۔ پانی کے گرنے کی آواز تو سب ہی جانتے ہیں کہ کیسی اور کیا ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ نہانے بھرنے کے بعد پتلون کی زپ بند کرنے کی آواز بھی بہت واضح تھی۔

اگلی صبح لوگوں کا بحث کرنا بھی صاف سنائی دے رہا تھا۔ موضوع یہ تھا کہ اب کھانا کیا ہے؟ کہاں سے آئے گا وغیرہ۔

’’یہ میرا حصہ ہے۔ اب تم زیادہ مت بات کرو، کل میں نے اپنا حصہ چھوڑا تھا۔‘‘

’’ہم گھنٹوں قطار میں کھڑے انتظار کرتے رہے۔ اب میرے بچوں کے لیے کیا باقی بچا ہے؟‘‘ یہ انصاف تو نہیں۔

بالکل میرے پاس لوگوں کے حالات سامنے آ رہے تھے۔ ہمارے درمیان فیبرک سے بنے ٹینٹ کے سوا کچھ نہیں تھا۔ سب کچھ سامنے ہی تو تھا، آر پار۔ سب ایک دوسرے سے نظریں چراتے اور بدن چھپاتے تھے۔ کبھی ایسا سوچا بھی نہ تھا۔

ہر ٹینٹ میں اسی طرح کا معاملہ تھا۔ خاموشی بھی زبان بن جاتی تھی۔ ہمیں ساتھ والے ٹینٹ کے اندر کی ہر بات کا علم تھا۔ ہم جانتے ہوئے بھی کچھ نہ جانتے تھے۔ وہ ہماری باتیں سن سکتے تھے۔ ہمارے ہمسائے کو علم ہوتا کہ میں نے اپنے شوہر سے کب اور کیا بات کی ہے۔ وہ اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھے مجھے اشارہ کرتے، جیسے کہہ رہے ہوں: ’’چپ کرو، چپ رہو، پڑوس والے سن رہے ہیں۔‘‘

پھر اچانک میری نوزائیدہ بچی بیدار ہوگئی۔ وہ چیخنے لگی، اسے کیا خبر کہ کیا چل رہا ہے۔ میرے پڑوس کو علم ہوتا کہ کب میرے پاس کچھ کھانے کو ہوتا اور کب نہیں۔

خیمے کے باہر بھی ہم اور ہماری زندگیاں ایک دوسرے کے سامنے تھیں۔ ہم نے کبھی ایسا سوچا بھی نہ تھا۔ میرے لباس پر باتیں ہوتیں۔ میرے ٹوٹے چپل۔۔۔ آپ سب کے سامنے اپنی زندگی یوں کھول کے نہیں رکھ سکتے تھے۔ اب چھپانا ممکن نہیں لگتا تھا۔ اب ذاتی ماحول ممکن ہی نہیں رہا تھا۔

میرے شوہر، چھ سال کی بیٹی، ننھا بیٹا، ہم سب یرموک سٹیڈیم میں ایک ٹینٹ میں رہ رہے تھے۔ ہم جولائی سے دسمبر 2024ء تک وہاں رہے۔ جنگ سے پہلے یرموک سٹیڈیم میں فٹ بال میچ ہوتے۔ پھر 2023 کے آخر میں اسرائیل نے اسے ایک کیمپ میں تبدیل کر دیا۔ لوگوں کو یہاں نظر بند کرنے لگے۔ مار پیٹ کرتے، درندوں سے بھی بدتر سلوک کرتے۔

پھر یہیں ہم نے اپنا ٹینٹ لگا لیا۔ پلاسٹک کی بنی چند چادریں، لکڑی کے پول، نائیلون کی چھت۔ یہ دسمبر کی چلچلاتی دھوپ تھی۔ ریت اور گرد کا فرش تھا۔ سخت گرمی سے بچاؤ ممکن ہی نہ تھا۔ رات کو یہیں کاٹ کھانے والی سردی ہوتی۔ جب بارش ہوتی تو فرش کیچڑ میں بدل جاتا۔

پلاسٹک کی چادریں تپ جاتیں۔ گرمی ناقابل برداشت ہو جاتی۔ اگر بادل آتے تو چند لمحے سکون اور پھر شدید حبس۔ خیمے کے اندر سب کچھ تھا اور ایک تھا۔ کوئی پرائیویسی نہ تھی۔ سارا خاندان یہیں سوتا، ایک میٹرس اور اس کے اوپر سارا خاندان۔ کوئی ٹائیلٹ نہ تھا، نہ نہانے کے لیے الگ واش روم۔ سب ایک تھا۔ ٹینٹ کے باہر بجلی کا ایک بلب ضرور تھا جو باہر جانے والے راستے پر لگایا ہوا تھا۔

ٹینٹ کے اندر کچھ بھی ''میرا'' نہیں تھا۔ یہ محض زندگی کرنے، زندگی بچانے کی جگہ تھی اور کچھ نہیں۔

میری بچی رات مجھ سے پوچھتی: ''لوگ کیا بڑبڑاتے رہتے ہیں؟، ان کی آوازیں سنائی دیتی رہتی ہیں۔ یہ ہماری باتیں بھی سنتے ہوں گے؟'' میں اسے کیا بتاتی کہ دیواریں اینٹ سے بنی ہوتی ہیں جن کے آر پار آوازیں کہاں آتی ہیں؟

مجھے جب بھی اپنے بچے کو دودھ پلانا ہوتا، ایک نیا امتحان شروع ہو جاتا۔ میں سوچتی ہوں کہ کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں ہر دستیاب کاغذ، کپڑا اوڑھ لیتی تاکہ خود کو اس طرح سے ڈھانپ لوں کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ اکثر اوقات اس قدر حبس ہو جاتا کہ سب کچھ اتار پھینکوں لیکن میں ایسا کرنے پر نہ پہلے قادر تھی اور نہ ہی اب ہوں۔ کئی بار خیال آتا کہ دودھ پینے والا تو اور بھی اذیت میں ہوتا ہے۔ ننھی سی جان کو یہ سب سہنا پڑے گا، کبھی اس کا تصور بھی نہ کیا تھا۔

جنگ سے پہلے پانچ سال میں اپنے سسرال کے ساتھ رہی۔ وہ بہت مہربان لوگ تھے۔ ان کے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا۔ پھر میرے شوہر الگ گھر منتقل ہو گئے۔ ہمارا یہ گھرانہ شمالی غزہ میں بیت لاھیہ میں رہنے لگا۔ اپریل 2023 سے ہم وہیں رہے۔ وہاں کمرے تھے جن کا دروازہ بھی ہوتا۔ کوئی اجازت لیے بغیر آ ہی نہیں سکتا تھا۔ کھانا پکانے کے لیے کچن تھا۔ میں اسے اپنی مرضی کے اور خواہش کے مطابق سجاتی سنوارتی رہی۔ پھر مئی 2024ء میں ہمیں مجبور کر دیا گیا کہ اس گھر کو چھوڑیں۔ سامان بھی ساتھ لے جانے کی اجازت نہ دی گئی۔ ہم غزہ سٹی میں دھکیل دیے گئے۔ وہاں ایک کمرے میں پندرہ تھے۔ مرد بھی وہیں، عورتیں اور بچے بھی سب وہیں۔ گویا وہ ایک کمرہ مختصر سی جیل تھی جس میں کافی دیر اکڑوں بیٹھے رہنا پڑتا۔

پھر وہاں نفسیاتی جنگ چھڑ گئی۔ میں اپنے کپڑے بھی تبدیل نہیں کر سکتی تھی۔ جب کوئی ضرورت پڑتی تو کہنا پڑتا کہ خدا کے لیے دوسری طرف رخ کر لیں۔ میرا جسم اب میرا کہاں رہا تھا! میں چیخنا چاہتی ہوں، لیکن آوازیں حلق میں دب کے رہ گئی ہیں۔ میں واش روم کا رخ کرتی اور وہاں چند منٹ خاموشی سے گزار لیتی۔ پھر دستک ہوتی: ''جلدی کریں! اب میری باری ہے۔'' میری تو خاموشی کو بھی چند لمحے کہاں میسر؟

میں سوچتی کہ یہ ہجوم بھرا کمرہ بہت برا محسوس ہونے لگا ہے۔ ہر وقت نقاب، ہر لمحہ عبایا زیب تن، کوئی فرصت سکون کی میسر نہ رہی تھی۔ پھر جولائی 2024ء میں اس گھر پر بم گرنے لگے۔ ہم سب تہہ خانے کی طرف بھاگے۔ وہاں کئی گھنٹے بیٹھے رہنا پڑا۔

ہمیں دوبارہ وہاں سے نکلنا پڑا۔ پھر خالی ہاتھ نکلنا پڑا۔ پھر وہی ٹینٹ، وہی خیمہ، جب دن ہوتا تو کڑکتی دھوپ ٹینٹ کے نائیلون کو آگ میں تبدیل کر دیتی۔ ایک رات میں چپکے سے باہر نکلی، ایک جگہ بیٹھ کر کتنی دیر چیختی رہی۔ میں پھر ٹینٹ میں واپس آ گئی۔ میری پڑوسن نے کہا: ''آپ ٹھیک تو ہیں؟ پھر جنگ بند ہوئی جنوری 2025ء کا مہینہ تھا۔ میرے گھر کی دیواریں ٹوٹ کر گر چکی تھیں۔ پھر وہاں بھی ٹینٹ لیکن ذرا حوصلہ کہ یہ ہمارا گھر تو ہے۔

سنجل: مغربی کنارے کا محصور گاؤں!

غزہ پر صہیونیت کی مسلط کردہ منظم نسل کشی (Genocide) اس قدر شدید ہے کہ دوسرے حصوں پر طاری کیا گیا اسرائیلی ظلم پس منظر میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ بہت سے قصبے، دیہات اور شہر مغربی کنارے میں ایسے ہیں، جن کا تذکرہ میڈیا بھی اپنے ایجنڈے کے مطابق کرتا ہے یا بالکل نظر انداز کر دیتا ہے۔ بہت سے زرعی فارم، رہائشی عمارتیں خطرے میں ہیں یا صہیونی جارحیت کا نشانہ بن رہی ہیں۔ یہودی آبادکار، جنہیں غیر ملکی قابضین کہنا زیادہ درست ہے، وہ فلسطین کے ان علاقوں میں نوآبادیاتی جبر مسلط کیے ہوئے ہیں۔

سنجل (Sinjel) ایسا ہی فلسطینی گاؤں ہے جو رام اللہ کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ خود صہیونی تاریخ دان لکھتے ہیں کہ یہ فلسطینی گاؤں ہے۔ 28 اکتوبر 2024 کی رات گیارہ بجے وہاں کے مکینوں نے دیکھا کہ ان کی فارم لینڈز سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ یہ مکین بڑی تعداد میں آگ لگنے کی جگہ پہنچے تو دیکھا کہ بہ ظاہر پانچ یہودی آبادکار وہاں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک کے پاس خودکار گن تھی جب کہ دوسرے کے ہاتھ میں آگ لگانے والا سامان تھا۔ وہ زرعی فصلوں کو آگ لگا رہا تھا۔ گاؤں کے مکین فلسطینی ان حملہ آوروں کو پہچانتے تھے۔ یہ قریبی یہودی بستی کے رہائشی تھے۔ چند دوسرے آبادکار فارم کے دوسرے حصے کے مختلف مقامات کو نذر آتش کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد اسرائیلی فوج دو گاڑیوں میں وہاں پہنچی اور آٹھ فوجی ان میں سے اترے۔

مکینوں نے فوج سے درخواست کی کہ فائر بریگیڈ کو بلا کر آگ بجھائی جائے، اس کے برعکس فلسطینیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ یہ جگہ خالی کر دیں اور وہاں سے چلے جائیں۔ ان فلسطینیوں نے وہاں سے جانے سے انکار کر دیا اور اپنے طور پر آگ بجھانا شروع کر دی۔ یہودی آبادکار اور فوجی وہاں سے چلے گئے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہاں سے پانچ سو میٹر پر ویسی ہی آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو آبادکار وہاں سے فوجی پوسٹ کی جانب بھاگتے دیکھے گئے۔

فلسطینی فائر فائیٹرز کو طلب کیا گیا۔ انہوں نے مسلسل تین گھنٹے کی کوشش سے آگ پر قابو پایا۔ اس دوران میں فصلوں کا بڑا حصہ جل کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کے بعد بچوں کو گھروں کے باہر کھیلنے سے روک دیا گیا۔

حال ہی میں آبادکاروں کی جارحیت میں اچانک پھر اضافہ ہو گیا ہے۔ سنجل کے اردگرد یہودی آبادکاروں کی پانچ بستیاں بنائی گئی ہیں۔ یہ بستیاں مشرق سے مغرب کی جانب بنائی گئی ہیں۔ اب یہ گاؤں ان آبادکاروں کی طرف سے مسلط کردہ جارحیت کا مسلسل نشانہ بنتا رہتا ہے۔ آئے روز کہیں نہ کہیں آگ لگا دی جاتی ہے اور گھروں پر پتھراؤ کیا جاتا ہے۔

فیجہ تلاش کی ایک رپورٹ 3 مئی 2025ء کو شائع ہوئی ہے۔ اس کے مطابق اکتوبر 2024ء سے ان حملوں میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ بعض خاندانوں کو یہاں سے ان کے گھروں سے نکال دیا گیا ہے۔ دوسرے کئی خاندان اپنے گھروں میں خوف اور عدم تحفظ میں زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں۔

یہاں کے مکین عیاد غافری نے اخبار نویسوں کو بتایا ہے کہ وہ اور بہت سے دوسرے گھرانے عملی طور پر قیدی کی طرح رہ رہے ہیں۔ روزانہ حملے ہو رہے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے گھروں کے اردگرد یہودی ہمیں جانے نہیں دیتے۔ آبادکاروں کے ایک گروہ نے غافری کے گھر پر پتھراؤ کیا۔ ان کے ساتھ ایک آبادکار افسر بھی تھا۔ انہوں

نے غافری کو دھمکی دی کہ وہ یہ علاقہ خالی کر دے ورنہ اس کے خاندان کے کسی فرد کو زندہ رہنے نہیں دیا جائے گا۔ غافری نے انسانی حقوق کی ایک تنظیم سے رابطہ کیا تو کہا گیا کہ تمہیں اپنی اور اہل خانہ کی زندگی پیار نہیں ہے۔

اس کے بعد فلسطینیوں نے گروپ کی شکل میں اکٹھے رہنا شروع کر دیا۔ اس گروپ پر آبادکاروں نے حملہ کر دیا۔ فوج نے ان پر آنسو گیس کی شیلنگ کی اور آبادکار یہودیوں کو ہی تحفظ فراہم کر دیا۔ اس واقعہ میں عیاد غافری کو جلنے سے بہت سے زخم آئے۔ اسی دن یہاں کے ان رہائشیوں پر آنسو گیس کی شیلنگ کی گئی جو اپنی املاک اور گھروں کو بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس حملے میں غافری کے کزن اور قریبی دوست وائل غافری شہید کر دیے گئے۔ ایک اور نوجوان شدید زخمی ہوا۔ اسی دن قابض فوج نے سنجل کے مکینوں پر بلا اشتعال لیکن بے دریغ بھاری شیلنگ کی۔ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ اپنی املاک اور گھروں کے تحفظ کی کوشش کر رہے تھے۔

غافری کے گھر پر قریب کی یہودی بستی Ma'ale Levona کے آبادکاروں نے زبردستی قبضہ کر لیا۔ یہ یہودی بستی 1983ء میں قائم کی گئی تھی۔ تب بھی یہ بستی سنجل کی زمین پر قوت کے بل پر صہیونی حکومت نے تعمیر کی تھی۔ سنجل میں مکینوں کی تعداد 7,500 سے زیادہ تھی۔ اس میں ساتھ کے دیگر گاؤں بھی شامل تھے۔

اسرائیل کی قابض فوج نے 2023ء میں سنجل کی مزید اراضی پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس اراضی میں 7 ہیکٹرز جگہ چھینی گئی تھی۔ یہ اراضی بھی غافری اور ان کے خاندان کی ملکیت تھی۔ تب بھی وہی پرانا بہانہ لگایا گیا کہ فوجی مقاصد کے لیے یہ جگہ درکار تھی۔ یہاں کے مکین کہتے ہیں کہ تب بھی یہودی بستی میں ہی توسیع کی گئی تھی۔ اسے سیکیورٹی کے مقاصد کے استعمال کا بہانہ بنا کر ہتھیا لیا گیا تھا۔

اس فارم لینڈ سے محروم کیے جانے کے بعد یہاں کے مکینوں نے گھروں کے صحن فصل اگانے کے لیے استعمال کرنے شروع کر دیے تھے۔ ان کا گزر اوقات انہی فصلوں کی آمدن پر تھا۔ پھر ان فصلوں کو بھی تباہ کر دیا گیا۔ آبادکاروں نے ان فصلوں پر اپنے مال مویشی چرنے کے لیے چھوڑ دیے تھے۔

قابض فوج نے 2023ء میں ہی غافری کے پڑوس جانے والی سڑک کو بند کر دیا۔ سڑک پر مٹی کے بڑے بڑے تودے بنا دیے گئے۔ ان کے قریب ہی غافری کی رہائش تھی۔ ان کے اہل خانہ کو، مثال کے طور پر محض ایک ڈبل روٹی خریدنا ہوتی تو سات کلومیٹر پیدل چکر لگانا پڑتا تھا۔ تب سے آبادکار یہودیوں اور قابض فوج کے حملوں میں بھی تیزی آ گئی اور کئی مکین نئے مقام پر منتقل ہونا شروع ہو گئے۔ وہ جس جگہ کو بھی چھوڑتے تے، اس پر آبادکار یہودی اور فوج قابض ہو جاتے تھے۔ غافری کا کہنا ہے کہ انہوں نے درجنوں حملوں کا مسلسل سامنا کیا۔ ہمارے گھروں کے دروازے توڑ دیے گئے۔ عورتوں اور بچوں کو مارا پیٹا گیا۔

جبری تنہائی:

ستمبر 2024ء میں قابض فوج نے ایک اور کام شروع کر دیا۔ سنجل کے اردگرد آہنی دیوار تعمیر کی کردی گئی۔ یہاں پر 1500 میٹر طویل اور ساڑھے چار میٹر بلند آہنی بیریئر لگا

دیے گئے۔ اس طرح غافری کے گاؤں کو روٹ 60 سے بالکل الگ کر دیا گیا۔ یہاں سے ایک اہم شاہراہ شمالاً جنوباً تھی۔ یہ شاہراہ چھ اہم فلسطینی شہروں سے سنجل کو ملاتی تھی۔

اس دیوار نے 80 ہیکٹرز سے زیادہ زمین کو نجی زرعی زمین سے کاٹ دیا۔ اس طرح یہاں کے مکینوں کو ان کی ذاتی زرعی زمین سے محروم کر دیا گیا۔ بہت سے گھروں کو جبری تنہائی سے دوچار کر دیا گیا۔ مکینوں کو ان کے گھروں سے بڑے طریقے سے محروم کر دیا گیا۔

جس زمین پر دیوار تعمیر کی گئی، وہ بھی فلسطینیوں کی نجی زمین تھی۔ ایک طرف زرعی زمین تباہ کر دی گئی، دوسری طرف یہاں سے 300 سے زیادہ درخت اکھاڑ دیے گئے یا کاٹ دیے گئے۔

یہ دیوار اسرائیل کے یہودی بستی تعمیر کرنے کے منصوبے کا حصہ ثابت ہوئی۔ اس دیوار کے ساتھ ساتھ سیکیورٹی کے نام پر ایک سڑک بنا کر زمین کو مزید برباد کر دیا گیا۔ فوج نے سنجل گاؤں پر پابندیوں میں مزید تکلیف دہ اضافہ کر دیا۔ گاؤں کی طرف جانے والے راستوں کو بند کر دیا گیا۔ ایک بڑا ملٹری گیٹ لگا دیا گیا اور جنوب کی طرف سنجل جانے کا راستہ ختم کر دیا گیا۔ وہاں عارضی فوجی چیک پوائنٹس بنا دیے گئے۔

ان اقدامات نے مستقبل میں مختلف شہروں سے سنجل کا رابطہ کاٹ دیا۔ اب گاؤں نابلس اور رام اللہ سے بالکل کاٹ دیا گیا ہے۔ مکینوں کو کہیں بھی نقل و حرکت کے لیے ملٹری دروازوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اب مکین خصوصی پرمٹ لے کر سفر کریں یا دوسری طرف طویل سفر اختیار کریں۔

کاؤبوائے کلچر:

عام طور پر یہ جواز دیا جاتا ہے کہ یہ اقدامات سیکیورٹی کے لیے کیے جاتے ہیں۔ یہاں کے مکین کہتے ہیں کہ دراصل زمینوں کو ہتھیانے کے لیے یہ کارروائیاں تسلسل سے کی جاتی ہیں۔ اب غافری کی زمین اسی خطرے سے دوچار ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ دیوار مکمل ہوتے ہی یہ علاقے مستقل بنیادوں پر فلسطینی آبادی کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے۔

ان کے خطرے کو حقیقت میں تبدیل ملٹری چیک پوائنٹس بناتی ہیں۔ ان سے گزرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ اگر جانا بہت ضروری ہو جائے یہاں سے مار پیٹ، تشدد اور گالم گلوچ کا نشانہ بنے بناء گزرا ہی نہیں جا سکتا۔ آخری میں راستہ یہی رہ جاتا ہے کہ بلا معاوضہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر جہاں جا سکتے ہو، چلے جاؤ۔

غافری نے بتایا کہ ایسے قبضے کے لیے مخصوص کاؤبوائے کلچر استعمال کیا جاتا ہے۔ پہلے فلسطینی زمینوں پر آبادکار یہودی مال مویشی چرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لاوارث زمینیں تھیں۔ پھر مہینوں گزر جاتے ہیں، اصل مالک کبھی ان زمینوں پر واپس نہیں جا پاتے۔ آبادکار یہودی اپنے مویشی چرنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں جو کھڑی فصلیں تباہ کر دیتے ہیں۔ پھر اسرائیلی فوج آہنی دیوار تعمیر کرنے آ جاتی ہے۔

اس وقت 300 کے لگ بھگ یہودی بستیاں مغربی کنارے میں تعمیر کی جا چکی ہیں۔ ان میں سات لاکھ یہودی آبادکار باہر کے علاقوں سے لا کر آباد کیے گئے ہیں۔ ان کی تعمیر بین الاقوامی قانون کے تحت غیر قانونی ہے۔ پھر ان بستیوں کے قریب فلسطینی علاقوں میں آؤٹ پوسٹ کلچر متعارف کرا دیا جاتا ہے۔ اس قانون کو پوچھتا کون ہے۔؟

نیتن یاہو کا دورہ آذربائیجان ملتوی

صہیونی اسرائیل کے جنگی مجرم وزیراعظم بنیامین نیتن یاہو نے آذربائیجان کا سرکاری دورہ مئی کے دوسرے ہفتے میں کرنے کے بجائے ملتوی کردیا ہے۔ یہ اعلان 2 مئی کو کیا گیا۔ اس دورے کے ملتوی کیے جانے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے یا یہ وجہ ہوئی کہ ایک مسلمان ملک ترکیہ نے اس صہیونی حکمران کا دورہ غزہ میں اس کے جرائم کی وجہ سے ملتوی کردیا ہے تو کچھ بات تھی۔ اس کے ملتوی کیے جانے کی وجوہات میں کہا گیا ہے کہ اسرائیل کے اردگرد حالات بہت کشیدہ ہیں، متعدد جنگی تنازعات چل رہے ہیں۔ غزہ کی پٹی میں ہونے والی جنگ، شام کی جنگی صورت حال ان تبدیلیوں میں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں اسرائیل کے اندر سیاسی وسیکیورٹی مسائل ایسے ہیں، جس کے پیش نظر قابض وزیراعظم بنیامین نیتن یاہو نے یہ دورہ ملتوی کردیا ہے۔ دورے کی نئی تاریخوں کا اعلان نہیں کیا گیا۔

Walla نیوز سائٹ نے بعض اسرائیلی ذرائع کے حوالے سے رپورٹ کیا ہے کہ اس طے شدہ دورے کے ختم ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ نیتن یاہو کے طیارے کو ترکیہ کے صدر رجب طیب اردوان نے ترک فضا سے گزرنے کی اجازت دینے سے انکار کردیا تھا۔ متبادل روٹ اختیار کرنے پر فاصلہ دوگنا ہوجائے گا۔

جب اسرائیلی وزیراعظم کے آفس سے تفصیلات جاننے کے لیے رابطہ کیا گیا تو آفس حکام نے کسی قسم کا تبصرہ کرنے سے انکار کردیا۔ نومبر 2024ء میں صہیونی صدر آئزک (اسحاق) ہرزوگ نے اقوام متحدہ کی کانفرنس COP29 میں شریک ہونا تھا۔ اس کا موضوع موسمیاتی تبدیلیوں پر تھا۔ یہ کانفرنس بھی آذربائیجان میں تھی۔ تب بھی ترکیہ نے اسرائیل کے ریاستی طیارے کو اپنی فضا سے گزرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ ہرزوگ نے بھی یہی عذر پیش کیا تھا کہ سیکیورٹی وجوہات پر ان کا یہ دورہ ختم کردیا گیا ہے۔ ترک صدر اردوان غزہ جنگ میں اسرائیل کے کردار کی وجہ سے شدید تنقید کرتے رہے ہیں۔ ترکی ان ممالک میں سے ہے جنھوں نے اسرائیل کو تسلیم کررکھا ہے۔

ادھر اسرائیل کی قابض فوج نے غزہ زمینی حملوں میں شدت لانے کے لیے ہزاروں ریزروفوجی طلب کرلیے ہیں۔ اس کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ حماس کو حتمی شکست دینے اور مکمل تباہ کرنے کے لیے ہزاروں ریزروفوجیوں کی ضرورت ہے۔ مئی کے آغاز میں اس قابض فوج کی نیتن یاہو سے ملاقات میں یہ مطالبہ رکھا گیا تھا۔

ان مطالبات سے فرار کے لیے نیتن یاہو نے 7 مئی سے 11 مئی تک آذربائیجان کا دورہ رکھا تھا۔ اس دورے میں ان کی صدر علی یوف سے ملاقات طے تھی۔ یہیں شام کے بارے میں ترکیہ اور اسرائیل کے مابین مزاکرات ہونا تھے۔ ان میں آذربائیجان نے ثالث کا کردار ادا کرنا تھا۔ انھی مزاکرات میں اسرائیل کو قانونی ریاست تسلیم کرانے کے لیے آذربائیجان کو ابراہام معاہدوں میں شامل کرنے کے امکانات کا جائزہ لینا تھا۔ صدر ٹرمپ کے اقتدار میں آنے سے اس نوعیت کے واقعات میں تیزی پیدا ہوتی جارہی ہے۔

آذربائیجان کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ وہ ایران کا ہمسایہ ہے۔ اس کی ایران کے ساتھ طویل سرحدیں اس کے ایٹمی پروگرام پر حملے کے لیے مواقع فراہم کرتی ہیں۔ ایران نے بارہا عالمی توجہ اس جانب دلائی ہے کہ اس طرف سے اس کے ایٹمی پروگرام پر حملہ یا مہم جوئی کے امکان کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

ایران کے صدر نے آذربائیجان کا دورہ کیا تھا۔ اس موقع پر مزاکرات میں دونوں ہمسایہ ملکوں میں تعلقات مزید خوش گوار بنانے پر کام کا آغاز ہوا تھا۔ دونوں ملکوں کے تعلقات کئی برسوں سے کشیدہ چلے آرہے ہیں۔ دونوں ملک آپس میں بحری مشقیں بھی کرچکے ہیں۔

آذربائیجان بین الاقوامی فوجداری کا رکن نہیں ہے۔ اس عدالت نے نیتن یاہو اور دیگر اسرائیلیوں کے وارنٹ گرفتاری جاری کیے ہوئے ہیں تاکہ ان کو ہیگ ٹربیونل کے سامنے پیش کیا جاسکے۔

’’مسٹر آف فلسطین‘‘ کی بے بسی!

جبالیہ کیمپ کے باڈی بلڈر حسین عودہ ’’مسٹر آف فلسطین‘‘ کہلاتے ہیں۔ وہ اپنے گھر سے نکلے، دل میں بس ایک ہی امید لیے ہوئے کہ شاید کوئی کرشمہ ہو جائے، شاید وہ اپنی فیملی کو اسرائیلی نسل کشی کی ہولناک جنگ سے بچا سکیں۔ لیکن اُنہیں معلوم نہ تھا کہ یہ اپنے بچوں سے آخری ملاقات تھی۔ وہ کسی ٹیکسی کی تلاش میں نکلے تھے تاکہ بچوں کو لے کر کسی ’’محفوظ‘‘ مقام کی طرف منتقل ہوں۔ مگر اسرائیلی میزائل حسین سے پہلے ہی ان کے گھر پہنچ گیا۔ جب وہ پریشان اور بے قراری میں واپس لوٹے، تو اُن کا گھر ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا۔ ان کی پوری فیملی، ملبے تلے دفن ہو چکی تھی۔ نہ کوئی آواز بچی تھی، نہ کوئی سانس، صرف خاموشی، خاک اور خون۔

حسین تھوڑا اور قریب آئے اور وہ منظر دیکھا جو کسی کے لیے بھی قابل برداشت نہ تھا۔ اُن کا دل چیخ اٹھا، آواز کانپ رہی تھی:

’’میرے بچے...... امانت ہیں...... مجھے میرے بچے دے دو...... میں دیر نہیں کر رہا تھا، میں تو اُن کے لیے گاڑی لینے گیا تھا تاکہ ہم یہاں سے نکل جائیں......بس ایک بچہ، ایک ہی بچہ نکل آئے ملبے کے نیچے سے...... خدارا میری مدد کرو، بس کسی ایک کو بھی نکال لو......‘‘

پانچ سو میٹر کے فاصلے پر وہ ڈرائیور اب بھی گاڑی میں انتظار کر رہا تھا، کہہ رہا تھا: ’’بندہ لیٹ ہو گیا۔‘‘

اُسے معلوم نہ تھا کہ حسین تاخیر نہیں کر رہا تھا، بلکہ وہ وقت کے ساتھ دوڑ لگا رہا تھا اُس لمحے کی جانب جس میں اُس کی فیملی شاید بچ سکتی تھی۔ لیکن وہ لمحہ، ایک بم دھماکے کی صورت میں اُس سے پہلے آ گیا۔ یہ ویڈیو، جس میں حسین کی بے بسی اور درد کو کیمرے نے قید کیا، دیکھتے ہی دیکھتے سوشل میڈیا پر پھیل گئی۔ اس میں حسین اپنے دکھ کی داستان بیان کرتا ہے، ایسے جیسے الفاظ اُس کے لبوں سے نہیں، اُس کے ٹوٹے ہوئے دل سے نکل رہے ہوں، جیسے اُس کا وجود بھی اُسی ملبے کے نیچے دب چکا ہو۔

اب غم کی سرزمین پر تنہا کھڑا حسین، ایک قوم کی بے بسی کی تصویر بن گیا۔

سوشل میڈیا صارفین نے اس المناک منظر پر ردعمل دیتے ہوئے کہا: ’’حسین، صرف اُنہیں نہیں رو رہا جنہیں اُس نے کھو دیا، بلکہ وہ اُس بے بسی پر رو رہا ہے جو سب کچھ چھین لیتی ہے...... اُس وطن پر جس میں اب غم منانے کی بھی جگہ نہیں بچی۔‘‘

ایک کارکن نے لکھا:

’’حسین، غزہ کا ایک نوجوان...... جنگ کے آغاز میں اُس کی ماں اور بہنیں شہید ہو گئیں اور آج، اُس کا والد اور بچے بھی چلے گئے۔ وہ صرف ایک راستہ ڈھونڈنے گیا تھا، بچاؤ کی کوئی صورت، مگر جب واپس آیا، تو سب کچھ کھو چکا تھا۔‘‘

’’کیا قیامت ہے کہ آپ کے بیٹے کی آواز ملبے کے نیچے سے سنائی دے: ’’بابا، میں زندہ ہوں...... مجھے نکالو‘‘ اور آپ کچھ نہ کر سکیں۔ پھر آہستہ آہستہ وہ آواز ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائے۔‘‘

المیے کی تفصیلات میں ایک اور زخم:

مقامی صارفین نے مزید لکھا کہ حسین نے اپنے بچوں کو تیار کیا تھا، اُنہیں کپڑے پہنائے، ہاتھ تھاما، امید دی اور کہا: ’’چلو، نکلتے ہیں یہاں سے، محفوظ جگہ پر چلتے ہیں۔‘‘

وہ صرف چند لمحوں کے لیے باہر نکلا، ایک گاڑی کی تلاش میں، جو انہیں کسی ممکنہ ’’پناہ گاہ‘‘ تک لے جا سکے، اُس جگہ جسے دنیا ’’محفوظ علاقہ‘‘ کہتی ہے۔ لیکن جب وہ واپس آیا......

تو سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ گھر، آوازیں، ہنسی، سانسیں، سب ملبے کے نیچے دفن ہو چکے تھے۔ صرف ایک خاموشی باقی رہ گئی تھی...... اور حسین کی چیخ جو خاموشی سے ٹکرا کر واپس آتی رہی۔

دوسری جانب، سوشل میڈیا پر صارفین نے اس قیامت خیز منظر پر سوال اٹھایا: ’’یہ منظر کب تک دہرایا جاتا رہے گا؟ کب تک آوازیں ملبے کے نیچے دفن ہوں گی اور دنیا خاموش رہے گی؟ کب ختم ہو گا یہ بے حسی اور بے بسی کا تسلسل؟‘‘

غزہ: عید قربان، بکھری، اجڑی لیکن منتظر!

اسلام میں ذوالحجہ کے پہلے عشرے کو انتہائی فضیلت حاصل ہے، ان ایام کو عید جیسی خوشیوں کا پرتو سمجھا جاتا ہے؛ جو عید قربان کے دن اپنے عروج کو جا پہنچتی ہیں۔ غزہ کی پٹی پر مسلط کی جانے والی تباہ کن جنگ سے پہلے یہاں بھی ایسے ہی عید منائی جاتی تھی، لیکن گذشتہ دو برسوں سے اہالیاں غزہ ان خوشیوں سے محروم چلے آ رہے ہیں۔

فریضہ قربانی کی ادائی کے سلسلے میں غزہ میں کی جانے والی غیر معمولی تیاریاں اپنی مثال آپ ہوا کرتی تھیں۔ طویل المدت محاصرے اور تنگ دستی کے باوجود اہالیاں غزہ قربانی کا اہتمام کرنے میں غیر معمولی اشتیاق کا مظاہرہ کرتے چلے آئے ہیں۔

جنگ چھڑنے سے پہلے وزارت زراعت کے جولائی 2023 میں جاری کردہ اعداد وشمار میں بتایا گیا ہے کہ غزہ کے 28 فیصد باسیوں نے سال 2023 میں آنے والی عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کا فریضہ انجام دیا۔ قربانی کرنے والے ایک لاکھ تیس ہزار خاندانوں میں سے 17 ہزار نے بڑے جانور جبکہ 24,000 نے چھوٹے جانوروں کی قربانی پیش کی۔

ابو محمد بتا رہے تھے کہ ”ہم سات دوست ہر سال چھ سو کلوگرام وزن کے درآمد کردہ بچھڑے کی مل کر قربانی کیا کرتے تھے۔ ہم آج نہ صرف قربانی کے اپنے جانوروں سے محروم ہو چکے ہیں بلکہ قربانی میں اہتمام کے ساتھ حصہ ڈالنے والے ہمارے چار دوست غزہ پر مسلط کردہ جنگ کے مختلف مراحل میں جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔“

ایک سرد آہ بھرتے ہوئے ابو محمد نے بتایا کہ ”ذوالحجہ کے اوائل عشرہ ایام بلکہ اس سے بھی پہلے عید کی بھرپور خوشیوں سے عبارت ہوتے تھے۔ اپنے بچوں کے ہمراہ ہم قربانی کے لئے ایک اچھا جانور تلاش کرنے مویشی منڈی جایا کرتے تھے، جہاں جانوروں کے باڑوں سے لیکر ہماری گاڑیوں کے ریکارڈرز پر تکبیر و تہلیل کی صدائیں گونجا کرتی تھیں۔“

ابو محمد سمجھتے ہیں کہ ”ہمارے عید منانے کے دن اب لد چکے۔ پرانے سنگی ساتھی نہ رہے جبکہ خوشیاں دلوں اور گھر دونوں سے روٹھ چکی ہیں اور تو اور غزہ میں اب قربانی کا بھی کوئی امکان دکھائی نہیں دیتا۔ انہوں نے استفسار کیا ”ایسے میں غزہ میں کوئی کیونکر خوشیوں کی بات کر سکتا ہے۔ ہماری خوشیاں تو غزہ میں جاری فاقوں اور نسل کشی کے خاتمے پر ہی لوٹ سکیں گی۔“

نسل کشی کے آغاز سے ہی عید نے غزہ سے منہ موڑ لیا تھا۔ آج غزہ کی پٹی میں چوتھی عید کی آمد کے موقع پر قتل وغارت، بربادی، فاقہ کشی اور رحم مانگنے کا سلسلہ جاری ہے۔ آخر یہ کیسی عید ہے جس کا سامنا اہالیاں غزہ کر رہے ہیں۔

آبائی گھر پر اسرائیلی بمباری میں دور نزدیک کے کئی رشتہ داروں کو موت کی وادی میں جاتا دیکھنے والے ابو کمال کہتے ہیں: ”کل میرے جوان بیٹے نے اپنے فون پر عید کی تکبیرات چلائیں تو میرا دل ملے جلے جذبات سے مغلوب ہو گیا۔ ایک چھوٹے بچے کی طرح پہلے میں ہنس دیا اور پھر بے اختیار رونے لگا۔ ہمارا خاندان اور پیارے اس دنیا سے جا چکے۔ موت نے ہمیں چہار سو گھیر رکھا ہے۔ ہمارے اور ہمارے بچوں کے پیٹ میں بھوک کے باعث اٹھنے والی درد کی ٹیسوں سے جان ہمارے لبوں پر ہے۔“

ابو کمال کے بہ قول عید کا موقع غزہ میں بھی آتا ہے؛ لیکن یہاں بسنے والوں کے پاس اسے منانے کا کوئی یارا نہیں۔ دن رات ہونے والی اسرائیلی بمباری سے غزہ کی سرزمین لرزاں رہتی ہے، جہاں کسی کی جان محفوظ نہیں، ایسی جگہوں پر عید منانے کی بات فلسطینیوں کے زخموں پر نمک پاشی کے مترادف ہے۔

ابو کمال کہتے ہیں: ”میں اجر وثواب کی نیت سے [ذوالحجہ] کے پورے نو روزے رکھتا تھا۔ طویل عرصے سے مسلط قحط کے باعث ہم تقریباً روزے ہی کی حالت میں ہیں، تاہم میں مشکلات سے خلاصی کی دعا کے ساتھ روزے کی نیت کروں گا تاکہ اللہ ہماری مشکلات دور کریں کیونکہ ہماری ہمت اب جواب دیتی جا رہی ہے۔“

فلسطینی پناہ گزینوں کے لئے اقوام متحدہ کی ورکس اینڈ ریلیف ایجنسی [انروا] نے غزہ میں خوراک کا ذخیرہ ختم ہونے کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا ہے کہ بے گھر ہونے والے ایک لاکھ کے قریب افراد انروا کے زیر انتظام پناہ کے مراکز میں رہائش اختیار کرنے پر مجبور ہیں۔ ان افراد کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

اقوام متحدہ کے مشیر برائے میڈیا عدنان ابو حسنہ کے اخباری بیان کے مطابق غزہ کی پٹی میں بسنے والے 80 فیصد افراد کو بے دخلی کے احکامات کا سامنا ہے جبکہ غزہ کی 92 فیصد عمارتیں بشمول، سکول، جامعات، بنیادی ڈھانچہ نکاسی اور فراہمی آب کے مراکز کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا گیا ہے۔

یورو متوسط رصدگاہ نے یہ بات زور دے کر کہی کہ ”اسرائیل کے ہاتھوں ہونے والے اجتماعی قتل، جبری فاقہ کشی، وسیع تباہی و بربادی الل ٹپ اقدامات نہیں بلکہ درحقیقت نسل کشی کے جرم کے ارتکاب کی راہ ہموار کرنے کے لئے ایک منظم صہیونی حربہ ہے۔“